

معین العقائد مرتبہ مولانا مفتی محمد حسن صاحب انجمیری، صدر مدرس مدرسہ
معین الحکمہ حیدر، رانڈیر، ضلع سورت، حجم پر ترتیب ۹۷ د ۱۰۴ صفحے

تفلیح چھوٹی، کاغذ بتر، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت بہ ترتیب ۱۰ روپے، موصوف سے
مذکورہ بالا پتہ پر طلب کریں۔

عربی مدارس کے اہم علوم میں علم کلام، فلسفہ، منطق اور فرائض وغیرہ ایسے فنون ہیں جن میں طالب علموں
کو فن کی دقتیں پیش آتی ہیں، لائق مصنف نے ان علموں پر اردو میں نئے انداز سے رسالے شائع کرنا شروع
کیا ہے، اور مختلف علوم کے مبادی پر وہ کتابیں شائع کر چکے ہیں، اس سلسلہ میں دو رسالے معین العقائد اور
معین الحکمہ اس وقت پیش نظر ہیں،

معین العقائد میں مصنف نے مختلف درجوں کے لیے الگ الگ حصے قائم کیے ہیں، پہلے درجہ کے لیے عقائد
نسفی کا ترجمہ سہل زبان اور طریقہ ادائیگی پیش کیا ہے، دوسرے حصہ میں عقائد کی اوپر کے درجوں کی کتابوں کی تلخیص
پیش کی گئی ہے،

معین الحکمہ میں تمام فلسفہ حکم کے مسائل اس انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ طلبہ کے لیے ان کا سمجھنا اور سمجھانا آسان
عربی مدرسوں میں فلسفہ حکمت کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس فن کے پس منظر اور عام مبادیات کو طلبہ کو روشناس کیے
غیر فنی کتابیں شروع کر دی جاتی ہیں، اور وہ غریب ایک نئی وادی میں پہنچ کر قیل وقال اور اعتراض و جواب کی الجھنوں
میں گرفتار ہو جاتے ہیں، معین الحکمہ اگرچہ ایک مختصر رسالہ ہے، لیکن کہا جاسکتا ہے کہ اس کے تمہیدی بیانات اور
ادبیات کو اگر پہلے طلبہ کے ذہن نشین کر دیا جائے تو اس فن کی تحصیل ان کیلئے آسان ہو جائے، فن کے ضروری
مسائل اس رسالہ میں آگئے ہیں، چھاپہ بتا کر یہ رسالے عربی مدرسوں کے ابتدائی درجوں کے لکھاب میں داخل کر دیے
جاتے، اور ان کے پڑھانے کے بعد ان فنون کی عربی کتابوں کو پڑھایا جاتا، امید ہے کہ ان رسالوں سے
فائدہ اٹھایا جائے گا۔

”س“

جلد ۶ ماہ فی الحجہ ۱۳۶۶ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۷ء عدد ۵

مکملین

شذرات

۲۲۲-۲۲۳

سید ریاست علی ندوی

مقالات

۲۲۵-۲۲۸

مولانا عبدالسلام ندوی

۲۳۳-۲۳۶

مولوی حافظ نجیب اللہ صاحب

ندوی رفیق دارالمصنفین

۲۴۳-۲۴۶

مولوی سید وحید احمد صاحب ندوی

رفیق دارالمصنفین

۲۴۵-۲۴۸

مولوی ابوبکی امام خان صاحب

نوشہ ندوی

تلخیص و تبصرہ

۲۵۲-۲۵۱

”س“

استفسار خوا

۲۹۲-۲۹۵

۲۹۵-۲۹۸

۲۹۸-۳۰۰

”اسلامی یا مسلمانوں کی حکومت“

علامہ فضل الحق خیر آبادی کے دور رسالے

مطبوعات جدیدہ

شکست

کسی پچھلے مینہ میں ان صفوں میں ہندوستان کے بدلے ہوئے حالات میں محکمہ قضا کے قیام کی تحریک اٹھائی گئی تھی، اس سے کراچی کے ایک عزیز معاصر کو غلط فہمی ہوئی کہ ہم اس کو اسلامی حکومت کا مترادف سمجھتے ہیں، حالانکہ ہماری گفتگو میں ایک ایسے نظام حکومت میں جو غیر اسلامی یا لادینی ہو، مسلمانوں کو اپنی شیرازہ بندی کی دعوت دی گئی تھی، ظاہر ہے کہ کسی ایسے نظام حکومت کی تشکیل اسلامی تصورات کی بنیاد پر نہیں ہو سکتی اور اس میں اسلامی حدود و قصاص کے قوانین نافذ کئے جاسکتے ہیں، اس حکومت کے حدود میں رہنے والے مسلمان اس لحاظ سے کہ وہ یہاں کے باشندہ کی حیثیت سے حکومت میں شریک ہیں، شہری کہے جائیں گے، اور اس لحاظ سے کہ مشترک مجالس قانون ساز کے نافذ کئے ہوئے قوانین کے وہ بھی دوسروں کی طرح پابند ہو رہے ہیں، پھر حکومت کے شہری کے حقوق بھی اس غیر اسلامی یا لادینی حکومت میں ہوں گے اور وہ ان کو نافذ کرنا چاہتا ہے، شیرازہ بندی کر سکتے ہیں اور اپنی اجتماعی ضرورتوں کے لئے ایسے قوانین نافذ کر سکتے ہیں جو ان کی جماعت کے لئے مفید ہوں اور ان کے جائز حقوق کا تحفظ ہو سکے، اس کو کسی غیر مسلم حکومت کے شہری درعایا مسلمان محکمہ شریعت یا محکمہ قضا کے نام سے اپنی نظم کر سکتے ہیں اب جس حد تک بھی وہ اس میں کامیاب ہوں،

آج جن اسلامی حکومتوں کو ہم اسلامی حکومتیں کہتے ہیں، ان کا منشا صرف اس قدر ہے کہ ان کے چلانے والے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، ورنہ اس لحاظ سے کہ یہ حکومتیں پورے اسلامی نظام کے معیار پر ہیں آج پردہ زمین پر کوئی اسلامی حکومت نہیں ہے، اور نہ اس وقت تک بن سکتی ہے، جب تک اس کے چلانے والے سیرت و کردار کی پاکیزگی و بندگی کی اسلامی تعلیمات سے آراستہ نہ ہوں، اور دین، اخلاق، تہذیب، معاشرت اور تعلیم یعنی تمدن زندگی کے سارے اجزاء دین کے سانچے میں ڈھلا ہوئے نہ ہوں، اور اسی وقت اللہ ان ملک محمدی الارض کے موعود شرات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ان کو مل سکتا ہے اور خلافت راشدہ کے دور میں دنیا نے چند دنوں کے لئے جس نظام سیاست کی جھلک دیکھی تھی، وہ نظام

نئے سرے سے پکیر و جو دین آسکتا ہے، اور خواہ وہ مسلمان ہوں یا نامسلمان اس کی تپائیوں کے اپنے آپ متاثر ہو سکتے ہیں، بلکہ موجودہ زمانہ میں صحیح نظام حکومت کا نقشہ پیش کر کے عالم کی رہنمائی کا فرض انجام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان اہم بنیادی تبدیلیوں کے بغیر محض کسی موجودہ نظام سیاست کو اختیار کر کے اس کو اسلامی نظام کا نام دیا جائے تو یہ اسلام کے ساتھ بڑی ہی نا انصافی کی بات ہوگی، ہماری موجودہ حکومتیں جس خیر سے تیار ہوئی ہیں اور جن ہاتھوں میں ہیں، اس کو دیکھتے ہوئے امکانی حیثیت سے یہ بار نہیں کیا جاسکتا، کہ ان کو خلافت راشدہ کے اسلامی نظام حکومت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے،

ہندوستان اور پاکستان میں فرد دارانہ فسادات کی جو شکلیں بھی پیش آئیں یا آسکتی ہیں ان کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانوں نے ۱۵ اگست کے پہلے اور بعد کی زندگی میں فرق و امتیاز محسوس نہیں کیا، غلامی کی دیرینہ عادت سے وہ اب بھی یہی سمجھ رہے ہیں، کہ وہ غلام ہیں، حالانکہ ۱۵ اگست کے بعد یہ تو حکومتیں بنیں یا تھیں یا نہ بنیں طاقت رکھتی ہیں اب پہلے کی طرح قتل و خون اور غارتگری ان کا کام نہیں، بلکہ امن و امان اور رعایا کی رکھوالی اور حفاظت ان کا فرض منصبی ہے، کاش سرور فرقتہ ان نکتہ کو سمجھیں،

اس سال عید فحی اور دسمبر کے تہواروں کی تاریخیں ایک ساتھ پڑ گئی تھیں، ملک کی عام فضا کو دیکھتے ہوئے بڑے خطرات کا تصور قائم تھا، بھگت سنگھ اندیشہ غلط تھے اور پورے ہندوستان میں یہ تہوار امن و امان کو منائے اور معلوم ہوا کہ اگر حکومتیں اور ان کے مقامی عہدہ دار دل سے امن کے خواہاں ہوں تو اس کا قائم رہنا کچھ زیادہ دشوار نہیں، اس وقت مختلف صوبوں کی حکومتیں امن و امان قائم کرنے میں سرگرم ہیں، مگر وہ اسی طرح کام کرتی رہیں، اور اچھے شہریوں اور سنجیدہ جماعتوں نے ان کا ساتھ دیا، تو توقع ہو کہ ایک دن فضا ایسی صاف ہو جائیگی کہ لوگ اپنے وطن میں اپنے اپنے مذہب و ملت پر قائم رہ کر امن و سکون کی گذار سکیں گے۔

زبان کے مسئلہ میں کسی صاحب نے لیڈر میں ایک تجویز پیش کی ہے، کہ انڈین یونین اس مسئلہ میں عجلت کام نہ لے اگر پاکستان کی حکومت ۱۰ فیصد سی (۹) غیر مسلم باشندوں کے جذبات کا لحاظ نہ کرے اور دو کے ساتھ ہندی زبان اور رسم خط کو سرکاری زبان کا درجہ نہ دے تو انڈین یونین بھی حق بجانب ہوگی، کہ وہ اپنی صرف ۱۲ فی صدی آبادی کا لحاظ نہ کر کے ہندی زبان اور رسم خط کو سرکاری زبان کا درجہ دیدے،

یہ صحیح ہے کہ پاکستان کی حکومت سے اپنی جگہ یہ مطالبہ درست ہے، اور پاکستان کے قیام میں انڈین

کے مسلمانوں کا جو حصہ دہاؤ جزائے احسان کے طور پر پاکستان کو اپنے فیصلوں کے وقت انہیں زمین کے مسلمانوں کی آمد زمین میں سیاسی منزلت کو نظر انداز کرنا چاہئے۔ باین جہ زمین کی ذمہ داری سے یہ بھی دریافت کیا جاسکتا ہے کہ کیا پاکستان کو انھوں نے اسی نقطہ نظر سے قبول کیا تھا کہ یونین کے مسلمانوں کے ساتھ برائی کا برتاؤ کیا جائے گا، جو لوگ اس ملک کو اپنا آبائی وطن تصور کریں، ان کے متعلق یہ کیسے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے ساتھ جو برتاؤ کیا جائے، اس میں غیر ملکی حکومت کے اپنی اقلیت کے ساتھ برتاؤ سے موازنہ کر لیا جائے۔ دوسری بات ہے کہ انسانیت شرافت اور عدل و انصاف کے نام پر دوسری حکومتوں کو صحیح راہ اختیار کرنے کی تلقین کی جائے اور اس میں کامیابی نہ ہو تو ایک حکومت دوسری حکومت کے ساتھ جو کچھ کر سکتی ہو جو وسائل اختیار کر سکتی ہے اس کو عمل میں لایا جائے، یہ تو کسی طرح مناسب نہیں، کہ میان کی اقلیتوں اور پاکستان کی اقلیتوں کو ایک ترازو پر رکھا جائے اور اسی معیار سے ایک دوسرے کے حقوق کو تول کر ان کی تعیین کیا جائے۔

صوبہ متحدہ میں ہندی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا جا چکا ہے اور اس پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ اردو کے مرکز میں اردو کو اس طرح نظر انداز کیا گیا، ہندی اور اردو کو مساوی درجہ کے ساتھ سرکاری زبان کا درجہ دینے کا مطالبہ کوئی ایسا نہیں ہے جس کی نظیر موجود نہ ہو، کناڈا، سونپور، گجرات اور جنوبی افریقہ میں دو زبانوں میں دہاں کا کاروبار جاری ہے، اگر امریکہ اور دوسرے ملکوں کے کانسی بون کو سامنے رکھ کر یہاں قانون سازی کی جاسکتی ہو تو کیا زبان کے معاملہ میں دوسرے ملکوں کی مثال کو سامنے نہیں لکھا جائے؟

اگر اب تو خود ہمارے میان مشرقی پنجاب میں ہندی اور گجراتی دونوں اور سندھ خطہ کو سرکاری درجہ دیا جا چکا ہے، لیکن معلوم ہو کہ یہ زمانہ دلائل کا نہیں جذبات کا ہے یونپ حکومت کے دربار آپ کے دلائل بھی دینے کی زحمت اٹھا رہے ہیں، بالیوال جی فرماتے ہیں کہ اردو صرف شہری حلقہ کی زبان ہے جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ رہتے ہیں، دینی آبادی کی زبان نہیں، دوسری طرف اردو کے قدیم محسن شہجور انند جی کا ارشاد ہے کہ اردو اس صوبہ میں صرف انہی صدی آبادی کی زبان ہے، اس کو سرکاری زبان کا درجہ دینا دیا جاسکتا، پہلے یہ انداز لیتے ہیں تو ان میں کسی ایک بات پر اتفاق کریں، پھر جب موجودہ خساد انگیزہ کے وعدہ کا خاتمہ ہو گا تو مسائل کو دلائل سے پرکھنے کا دور آئے گا اس وقت ٹھنڈے دل سے اس مسئلہ پر گفتگو کی جاسکے گی، اور شاید اس وقت اردو کو وہ مرتبہ حاصل ہو سکے گا جو اس کو اپنے مرکز میں حاصل رہنا چاہئے۔

مقالہ

اقبال کا فلسفہ خودی

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۸)

بہر حال امرِ خودی کے اکثر فلسفیانہ اجزاء تو فلاسفہ مغرب سے ماخوذ ہیں، اس میں حکماء اسلام کے خیالات کا بہت کم پایا جاتا ہے، البتہ اسلامی تقویٰ میں سے انھوں نے صریح عشق کا نظریہ مولانا رام سے لیا ہے، اور نہایت بلند آہنگی سے اس کا اعتراف کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

روے خود بنو دیر حق سرشت کو بحرِ پہلوی قراں نوشت

گفت اے دیوانہ ارباب عشق جرمِ گیر از شرابِ ناب عشق

ایک حکایت سید محمد علی بھوی کی لکھی ہے جن کی خدمت میں ایک نوجوان مرد سے آیا اور کہا کہ

گفت محصور صفِ اعدا، تم در میان سنگما میناسم

بامن آموزا عرش گردون مکان زندگی کردن میان دشمنان

اور اس کے جواب میں انھوں نے جو کچھ ارشاد فرمایا، اس سے خودی اور مظاہر خودی کا اثبات ہوتا

فارغ از اندیشہ اغیار شو قوتِ خوابیدہ بیدار شو

سنگ چون بر خود گمان شیشہ کرد
شیشہ گردید و شکستن پیشہ کرد
تا توان خود را اگر ہر دشمن
نقد جان خویش بار ہرن سپرد
تا کجا خود را شمار سی مار و طین
از گل خود شعلہ طور آفرین
باغ یزان سرگران بودن چرا
شکوہ سنج دشمنان بودن چرا
راستی گویم عدو ہم یار تست
ہستی اور و نفع بازار تست
ہر کہ داناے مقامات خودی است
فصل حق داند اگر دشمن قوی است
کشت انسان را عدو باشد سحاب
نمکنا تش را بر انگیزد ز خواب
سنگ رہ آب است اگر ہمت قوی است
سیل را پست و بلند جادہ چیت
مثل جوان خوردن آسودن چہ سو
گر بخود حکم نہ بودن چہ سود
خویش را چون از خودی حکم کنی
تو اگر خواہی جہان بر ہم کنی
گر نمی خواہی ز خود آزاد شو
گر بقا خواہی بخود آباد شو
چیت مردن از خودی غافل شد
تو چہ پنداری فراق جان و تن
در خودی کن صورت یوسف مقام
از اسیری تا شہنشاہی خرام

ان اشارے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حکایت سے محض داستان سسرانی مقصود نہیں، بلکہ خودی کی حقیقت کا اظہار مقصود ہے،

شرح راز انداز داستان نامی کنم
غنجہ از زور نفس و امی کنم
خوش تر آن باشد کہ ستر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران

میرنجات نقشبند المعروف بابائے صحرائی کی ایک نصیحت بھی لکھی ہے، اور اس میں مختلف طریقوں سے خودی کی تعلیم دی گئی ہے،

ایک مثل گل ز گل بالسیدہ
تو ہم از لطن خودی ز امیدہ
از خودی گذر بقا انجام باش
قطرہ می باش و بحر آشام باش
تو کہ از نور خودی تابندہ
گر خودی حکم کنی پائیندہ
ہستی و اند نیستی ترسیدہ
اے سرت گردم غلط فہمیدہ
چون خبر دارم ز ساز زندگی
با تو گویم چیت را ز زندگی
غوطہ در خود صورت گوہر زدن
پس ز خلوت گاہ خود سر بزدن
زندگی از طوف دیگر متن است
خویش را بیت احرم دانستن است

لیکن تمام صوفیہ میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا روم کے فیوض و برکات کا نہایت بلند انگلی کے ساتھ خاص طور پر اعتراف کیا ہے، اور اپنی تمام تصنیفات میں ان کا نام پیرو مرشد کی حیثیت سے لیا ہے چنانچہ پیام مشرق میں فرماتے ہیں،

مطرب غزلے، بیتے از مرشد روم آور
تا غوطہ زند جاغم در آتش تبریز
بیا کہ من ز خیم پیر روم آوروم
مئے سخن کہ جوان تر ز بادہ غنی
ز بورد عجم من کہتے ہیں :-

مرا انگیز کہ در ہندوستان دیگر بنی
برہمن زادہ رفر شاعر روم و تبریز است
بال جبریل میں لکھتے ہیں :-

علاج آتش رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خورد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسو
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہر روشن
اسی کے فیض سے میرے سبویں ہر چون

اس بنا پر شاعرانہ، فلسفیانہ اور تمکلمانہ غرض ہر حیثیت سے ہم کو یہ پتہ لگانا چاہئے، کہ ڈاکٹر صاحب نے مولانا روم سے کیا کیا فیوض و برکات حاصل کئے ہیں،

(۱) شاعرانہ حیثیت سے ہندوستان بلکہ ایران میں ڈاکٹر صاحب کے زمانہ میں جس شاعری کا عام طور پر رواج تھا، وہ عاشقانہ شاعری تھی، اور خود ڈاکٹر صاحب نے بھی اپنی شاعری کی ابتدا غزل سے کی تھی، اس کے بعد زمانہ کی ضروریات اور مغربی شاعری کی تقلید میں قوی، سیاسی اور نیچرل نظموں کا رائج ہوا، اور ڈاکٹر صاحب نے بھی ان اصنافِ سخن میں ایک حد تک سبج آزمائی کی، لیکن اب تک ہندوستان اور ایران میں فلسفیانہ اور مشکلانہ شاعری کا آغاز نہیں ہوا تھا، ایران میں بھی مولانا روم کے زمانہ تک زیادہ غزل، قصیدہ اور رزمیہ ثمنیوں کا رواج تھا، فلسفیانہ اور مشکلانہ مباحث شاعری میں بہت کم آئے تھے، مولانا روم پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی ثمنوی کو اس قسم کے مباحث و مسائل سے لبریز کر دیا، اور انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو بھی ہدایت کی، کہ عشق و ہوس اور مداحی اور شاگستری کا زمانہ نہیں رہا، بلکہ شاعری کو عدم و فنون کے دقیق مسائل سے آشنا کرنا چاہئے، جیسا کہ ثمنوی معنوی میں اس قسم کے مسائل مذکور ہیں، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس ہدایت کے مطابق ایک علمی اور فلسفیانہ شاعری کی ابتداء کی،

باز برخوانم ز فیض پیر روم

د فتر سربستہ اسرارِ علوم

لیکن اس کے ساتھ مولانا روم نے ڈاکٹر صاحب کو یہ ہدایت بھی کی کہ اس شاعری سے خالص فلسفیانہ اور مشکلانہ مباحث کا بیان کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ قوم میں علمی طور پر انقلاب اور بیداری پیدا کرنا مقصود ہو، اور اس کی حیثیت محض شاعری کی نہ ہو، بلکہ ایک انقلاب انگیز پیغام کی ہو،

از نیستان، ہچونے پیغام دہ قیس را از قوم طے پیغام دہ

نالہ را انداز نوایجا دکن بزم را از ہاے و ہوا با دکن

روح نوے جوید اجسام کن کمتر از تم نیست اعجاز سخن

خیزد جان نو بدہ ہر زندہ را از تم خود زندہ تر کن زندہ را

خیزد پا بر جاوہ و دیگر بنہ جوش سوداے کمن از سر بنہ
اس بنا پر ڈاکٹر صاحب نے اس انقلاب انگیز پیغام اور حیات بخش شاعری کے لئے اگرچہ چند اجزاء فلسفہ مغرب سے بھی لئے تاہم اصل پیغام مولانا روم ہی کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے،
(۲) اس پیغام کے قبول کرنے کے لئے خوش قسمتی سے ڈاکٹر صاحب مولانا روم میں طبعی مناسبت بھی موجود تھی، مولانا شہی موحم کہتے ہیں کہ وقت و مکث مقامات میں دو مقام آپس میں متقابل ہیں، فنا و بقا مقام فنا میں سالک پر خضوع، مسکینی اور انکسار کی کیفیت غالب ہوتی ہے، بخلاف اس کے بقا میں سالک کی حالت جلال اور عظمت سے لبریز ہوتی ہے، مولانا پر یہ نسبت زیادہ غالب رہتی تھی، اس لئے اُن کے کلام میں جو جلال و اعدا، میاکی، اور بلند آہنگی پائی جاتی ہے، صوفیہ میں سے کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی،
اور ڈاکٹر صاحب بھی نظر سے ہی قسم کی پر جوش اور غلغلہ انگیز طبیعت رکھتے تھے، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں

شرا سے جستہ گیر از در و دم

کہ من مانند رومی گرم خونم

اس لئے انھوں نے تمام صوفیہ میں مولانا روم کا اثر سب سے زیادہ قبول کیا، خلیفہ عبد حکیم لکھتے ہیں کہ عارف رومی اور علامہ اقبال میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے، دونوں اعلیٰ درجہ کے شاعرین، دونوں اسلامی شاعرین، دونوں کی شاعری حکیمانہ ہے، دونوں معقولات کے عمدر کے تیراک ہونے کے باوجود وجدانات کو معقولات پر مرجع سمجھتے ہیں، دونوں خودی و نفسی کے بجائے خودی کی تقویت چاہتے ہیں، دونوں کے نزدیک حقیقی خودی اور حقیقی بے خودی میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ ایک کے بغیر دوسرا مکمل اور بے نتیجہ ہے، دونوں کا تخیل تقدیر کے متعلق عام مسئلہ تخیل سے الگ ہے، دونوں کا خیال ہے کہ تقدیر میں جزئی طور پر اعمال افراد پہلے ہی سے خدا کی طرف سے معین اور مقدر نہیں، بلکہ

لے سوا رخ مولانا روم ص ۵۶۱۵۵

تقدیر آئین حیات کا نام ہے، دونوں ارتقائی مفکر ہیں، نہ صرف انسان بلکہ تمام موجودات ادنیٰ سے اعلیٰ منازل کی طرف عروج کر رہے ہیں، انسان کے عروج کی کوئی حد نہیں، وقت آرزو اور جہدِ صالح سے کئی نئی کائناتیں انسان پر نہ صرف منکشف ہو سکتی ہیں، بلکہ خلق ہو سکتی ہیں، دونوں قرآن کریم کے آدم کو ذوق انسان کی معراج کا ایک نصب العین تخیل سمجھتے ہیں، دونوں جہد و جہد کو زندگی اور زندگی کو موت سمجھتے ہیں، دونوں کے یہاں بقا مشروط ہے اسی بقا پر، دونوں اپنے سے پیشتر پیدا کردہ اذکار سے کما حقہ واقف ہیں، اور متضاد عناصر کو ایک بلند تر وحدت فکر کی سطح پر لانا چاہتے ہیں، اس ازلی اور طبعی مناسبت کی وجہ سے اقبال اپنے آپ کو عارفِ رمزی کا مرید سمجھتا ہے، یہ مرید معمولی تقلیدی مرید نہیں کمال عقیدت کے ساتھ پیر کے رنگ میں رنگا ہوا مرید ہے،

افسوس ہے کہ خلیفہ عبدالحکیم نے اس موقع پر اجمال سے کام لیا ہے، ورنہ ضرورت یہ تھی کہ مولانا روم اور ڈاکٹر صاحب دونوں کے کلام سے بالمقابلہ شواہد پیش کئے جاتے، تاہم خود ڈاکٹر صاحب کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کون کون سی خاص باتیں مولانا روم سے اخذ کی ہیں،

۱۔ ان میں پہلی چیز تو خودی کا تصور ہے، جو ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ کی اساس ہے، اور اس پر ان کے تمام فلسفیانہ خیالات کی بنیاد ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصور یورپین فلاسفہ بالخصوص نطشے سے ماخوذ ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس تخیل کو مولانا روم سے اخذ کیا ہے چنانچہ جاوید نامہ میں اس فلسفہ کو انھوں نے مولانا روم کی زبان سے اس طرح بیان کیا ہے،

روحِ ربوبی پر دبا بردرید از پسِ کپا رہ آمد پدید،
گفتش موجود و ناموجود چیست؟ معنی محمود و نامحمود چیست؟
گفت موجود آنکہ می خواہد نمود آئین تقاضاے وجود

لے رسالہ ادب اقبال نمبر ۶۰، ۱۹۸۹ء

زندگی خود ما بخوش آراستن برو وجود خود شہادت خواستن
انہن روزالت آراستند برو وجود خود شہادت خواستند
نمذہ یا مردہ یا جان بلب از سہ شاہ کن شہادت را طلب

۲۔ لیکن اس خودی کو اگر بالکل مطلق النعمان چھوڑ دیا جائے تو وہ ایک شیطانی قوت بن جاتی ہے، جس کا کام تخریب و فساد، لوٹ مار، گمراہی و ضلالت اور قتل و غارت گری کے سوا کچھ نہیں ہوتا، تاہم یوں نے دنیا سے اسلام کو جو تباہ و برباد کیا، وہ اسی مطلق النعمان خودی کا نتیجہ تھا، اور آج یورپین قوموں میں اسی قسم کی خودی پائی جاتی ہے، اس لئے اس میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے اس کو کسی آئین کا پابند بنانا ضروری ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب خود ایک خط میں لکھتے ہیں،

”دین اسلام جو ہر مسلمان کے عقیدہ کی رو سے ہر شے پر مقدم ہے، نفس انسانی اور اس کی مرکزی قوتوں کو فنا نہیں کرتا، بلکہ ان کے عمل کے لئے حد و معین کرتا ہے، ان حدود کے معین کرنے کا نام اصطلاح اسلام میں شریعت یا قانونِ الہی ہے، خودی خواہ مسولینی کی ہو، خواہ مشرک کی، قانونِ الہی کی پابند ہو جائے، تو مسلمان ہو جاتی ہے، مسولینی نے حبشہ کو محض جو ع الارض کی تسکین کے لئے پامال کیا، مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں حبشہ کی آزادی کو محفوظ رکھا، فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں، دوسری صورت میں قانونِ الہی اور اخلاق کی پابند ہے، بہر حال حدودِ خودی کے تعین کا نام شریعت ہے، اور شریعت کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے، جب احکامِ الہی خودی میں اس حد تک سرایت کر جائیں کہ خودی کے پرائیوٹ امیال و عواطف باقی نہ رہیں، اور صرف رضاے الہی اس کا مقصود ہو جائے، تو زندگی کی اس کیفیت کو بعض اہل برصغیر (اسلام

نے فنا کیا ہے بعض نے اسی کا نام بقا رکھا ہے۔

خودی کو شریعت یا قانون الہی کے پابند بنانے کے لئے دو باتوں کی سخت ضرورت ہے،
۱۔ ایک تو یہ کہ بنی نوع انسان کے دوسرے افراد کا بھی لحاظ رکھا جائے، اور ان کے ساتھ
اتحاد پیدا کیا جائے، مثلاً نے دنیا کو اقا اور غلام کے دو طبقوں میں تقسیم کر کے بنی نوع انسان کے کمزور
افراد کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا، اس لئے اس کے فلسفہ کے رو سے اخلاق کا جمال آمیز پہلو یعنی لطافت
محبت تواضع و انکسار رحم و ہمدردی وغیرہ کا خاتمہ ہو گیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے اسی بنا پر اسرار خودی
کے بعد موزبے خودی لکھ کر اس کی تکمیل کی، اور فرد کا رشتہ ملت کے ساتھ قائم کیا، لیکن تکمیل خودی
کا یہ اخلاقی نظریہ انھوں نے مولانا روم ہی سے اخذ کیا ہے، چنانچہ مولانا روم نے جاوید نامہ میں خودی
کے جو دو مراتب بتائے ہیں، ان میں پہلا مرتبہ یہ ہے،

شاہدِ اول شعورِ خوشیت

خوش را دیدن بنورِ خوشیت

اسی کا دوسرا نام خودی ہے لیکن انسان کو صرف اپنے ہی نور کے مشاہدے میں محو و مستغرق
نہیں ہو جانا چاہئے، بلکہ اپنے ساتھ بنی نوع انسان کے دوسرے افراد کے نور کا بھی مشاہدہ کرنا چاہئے

شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے

خوش را دیدن بنورِ دیگرے

اور اسی مرتبہ کا نام فلسفہ پیروی ہے، اب اپنی خودی کے ساتھ اگر دوسروں کی خودی کو بھی شامل
کر لیا جائے، تو اخلاقی حیثیت سے جلال و جمال کے دونوں پہلو باہم متحد ہو جاتے ہیں، اور جمال و
جلال کا جو اتحاد ڈاکٹر صاحب کے کلام میں پایا جاتا ہے وہ مولانا روم ہی کے اسی چشمِ دابر و کا اشارہ ہے

۲۔ دوسرے یہ کہ انسانی خودی کا رشتہ خداوند تعالیٰ کی ذات سے منقطع نہ ہونے پائے، مثلاً
خدا کا منکر ہے، اس لئے اس نے خودی کا جو نظریہ قائم کیا ہے وہ بالکل مطلق العنان ہے، راہِ رد ہے،
لیکن مولانا روم نے ڈاکٹر صاحب کو تکمیل خودی کے لئے بتایا،

شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق خوش را دیدن بنورِ ذاتِ حق

پیش این نور را بمانی استوار محی و قائم چون خدا خود را شمار

۳۔ خالق و مخلوق اور عبد و معبود میں یہ تعلق صرف عشق و محبت سے پیدا ہو سکتا ہے، مولانا
روم کے زمانہ میں چونکہ مسلمانوں کی عقلی ترقی درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی، اس لئے لوگ خدا کو عشق کے بجائے
عقل سے دیکھتے تھے، با این ہمہ اس زمانہ میں خدا بالکل گم نہیں ہوا تھا، بلکہ موجود تھا، البتہ اس سے
تعلق پیدا کرنے کا طریقہ عشق کے بجائے عقل کو قرار دیا گیا تھا، صرف صوفیوں کا گروہ ایسا تھا، جو
خدا کو عقل کے بجائے عشق کی عینک سے دیکھتا تھا، ادران میں مولانا روم کے پیشرو تھے، ڈاکٹر صاحب کے
زمانہ میں عقلی ترقی اس زمانے کو بھی زیادہ ہو گئی تھی اس زمانہ میں تو خدا کم از کم موجود تھا لیکن اس زمانہ میں سرکاری موجودی نہیں رہی
زمانہ عقل کے ساتھ عشق کا وجود بھی تھا لیکن اس زمانہ میں صرف عقل ہی عقل ہو گیا، عشق کا وجود نہیں رہا، اس کو مولانا روم
ڈاکٹر صاحب کا زمانہ اس حیثیت سے باہم مشابہت رکھتا ہے، اور دونوں ایک ہی قسم کے فتنہ انگیز
زمانے میں موجود تھے، اور دونوں نے ایک ہی قسم کی بلند آہنگی کے ساتھ اپنے اپنے زمانہ کے عقلی رجحان
کی مخالفت کی، اور لوگوں کو عشق و محبت کی طرف مائل کیا، اس بنا پر خودی کی تکمیل کے لئے عشق و محبت
کا نظریہ انھوں نے ابتداء ہی سے مولانا روم سے لیا، اور خیر تک اس نظریہ پر قائم رہے، چنانچہ ارمنانِ حجاز
میں جو تطلعات مولانا روم پر لکھے ہیں، ان میں صاف صاف تصریح کی ہے کہ

نئے آن نے نوازے پاکبازے مرا با عشق و مستی آشنا کرد

مئے روشن ز تاکِ من فرورخت خوشا مردے کہ در دامِ نامِ ادبخت

نفسب از آتشی دارم کہ اول سنائی از دل رومی بر آنگیخت

اگرچہ تمام صوفیہ نے خدا سے تعلق پیدا کرنے کا ذریعہ عشق کو قرار دیا تھا، لیکن اُن کے نزدیک اس عشق کا آخری درجہ یہ تھا کہ انسان اپنی خودی کو خدا کی ذات میں ہلک کر دے، اور خود اس کا کوئی وجود باقی نہ رہے، لیکن مولانا روم کے نزدیک انسان اپنی خودی کو خدا کی ذات میں فنا کرنے کے بعد بھی قائم رکھ سکتا ہے، خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ رومی انفرادی بقا کا قائل ہے، اور کہتا ہے کہ خدا میں انسان اس طرح محو نہیں ہو جاتا، جس طرح کہ قطرہ سمندر میں محو ہو جاتا ہے، بلکہ ایسا ہوتا ہے جیسے کہ سودج کی روشنی میں چراغ جل رہا ہے، یا جیسے لہا آگ میں پڑ کر لگ ہو جاتا ہے، لیکن باوجود اس کے اس کی انفرادیت باقی رہتی ہے، ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ خودی کے لئے یہی نظریہ مناسب تھا، اس لئے انھوں نے اس کو مولانا روم سے افذ کیا، لیکن خلیفہ عبدالحکیم نے مولانا روم اور ڈاکٹر صاحب کے اشارے اس کی تائید نہیں کی، اور اسرار خودی میں اس قسم کے دقیق خیالات موجود بھی نہیں ہیں، لیکن ارمنان جانا کا یہ قطعہ جو انھوں نے مولانا روم کی شاعری میں لکھا ہے، غالباً اسی نظریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے،

سراپا درد و سوز آشنائی دھال او زبان دان جدائی
جمال عشق گیر دازئے اد نصیب از جلال کبریائی

اور صوفیہ نے ذات خداوندی میں انفرادی خودی کی عویت کا جو نظریہ قائم کیا تھا، اس نے انسان کے تمام ایجابی اخلاق مثلاً جرات، شجاعت، عزم و استقلال وغیرہ کو فنا کر کے اس میں سلبی اخلاق مثلاً ہر وقاحت، توکل، گوشہ گیری اور عجز و انکسار پیدا کر دیے تھے، لیکن مولانا روم کے نظریہ عشق کے روستا انسان کے ایجابی اخلاق، اور بھی زیادہ مستحکم اور ترقی یافتہ ہو جاتے ہیں، اس لئے خدا کی ذات میں محو ہو کر ایک بزدل انتہا درجہ کا بے ہوش ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تمام صوفیہ میں ڈاکٹر صاحب نے مولانا روم

کے نظریہ عشق کو اختیار کیا، اور لوگوں کو ہدایت کی،

بگیر از ساغوش آل لالہ رنگے کہ تاثیرش دہد بے گنگے
غزلے را دل شیرے بہ بخشد بشوید داغ از پشت پلنگے

اس قطعہ میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے، کہ مولانا روم کا نظریہ عشق انسان کو اخلاقی حیثیت جلال و جمال دونوں کا بہترین مجموعہ بنا سکتا ہے، فقر کا مضمون بھی جو بالواسطہ فلسفہ خودی ہی سے تعلق رکھتا ہے، اور اس پر ڈاکٹر صاحب نے بہترین اشعار لکھے ہیں، مولانا روم سے ماخوذ ہے چنانچہ ارمنان حجاز کے قطعات میں صاف صاف اس کی تصریح کی ہے،

زرد می گیر امرا بر فقیری کہ آن فقر است محمود ایری
حذر زان فقر و درویشی کہ از تو رسیدی بر مقام سر بریری
خودی تا گشت بنجو حذرائی بہ فقر آموخت آداب گدائی
ز چشم مست رومی دام کردم سرورے از مقام کبریائی

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر صاحب کا فلسفہ کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتا بلکہ انھوں نے دوسروں کی خوشہ چینی کر کے ان ہی کے فلسفہ کو شاعرانہ آب و رنگ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے، اُن کے فلسفہ خودی کے تمام اساسی مضامین درحقیقت قرآن مجید سے ماخوذ ہیں، اور قرآن میں فضیلت انسان، تسخیر فطرت، عزم و استقلال، جرات و شجاعت، فتح و نصرت، ہمت وغیرہ اور قدرت و اختیار پر بہ کثرت آئین موجود ہیں، اور انہی آیتوں نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو خودی یعنی جلال و جمال دونوں کا بہترین مجموعہ بنادیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے یہ تمام مضامین قرآن مجید ہی سے لئے، اس کے بعد انھوں نے فلسفہ و تصورات پر نگاہ ڈالی، تو اُن کو دو متضاد فلسفیانہ اور صوفیانہ نظریے نظر آئے، ایک توشوہنہار کا قنوطی فلسفہ تھا، جو سراپا قرآن مجید کی قیامات کے خلاف اور خودی کے تمام

غنا صریح کن تھا، اس کے برخلاف نشتے کا فلسفہ تھا، جو اگرچہ تمام تر تقویم خودی پر مبنی تھا، لیکن یہ خودی ایک محدود اور شیطانی خودی تھی، جس کا تعلق خدا و عام بنی نوع انسان سے نہ تھا، اسی طرح صوفیانہ تعلیمات بھی مختلف تھیں، تصوف کی عام کتابیں اکثر صوفیہ اور فارسی شاعری کا تمام تر ذخیرہ اشراقی اور افلاطونی فلسفہ سے متاثر تھا، جو زندگی کو ایچ قرار دیتا تھا، اور صرف سلبی اخلاق کی تعلیم دیتا تھا، لیکن فتویٰ مولانا رومؒ میں ان کو جا بجا ایسے اشعار ایسے خیالات، اور ایسے نظریات ملے، جو قرآن مجید کی تعلیمات کے موافق اور فلسفہ خودی کے مؤید ہیں، ڈاکٹر صاحب نے ان تمام فلسفیانہ اور صوفیانہ نظریات میں شوہار صوفیانہ تعلیمات اور فارسی شاعری کو تمام ذخیرہ کو قرآن مجید کی تعلیمات کے مخالف پایا، اس لئے ان کو بالکل نظر انداز کر دیا، اسی طرح نشتے کے فلسفہ میں ان کو خودی کے جو شیطانی عناصر نظر آئے، ان کو تو انھوں نے بالکل چھوڑ دیا، البتہ اصل مسئلہ کو لے کر اس شیطانی خودی کو یزدانی خودی بنا دیا، اور اس میں ان کو قرآن مجید کے بعد مولانا رومؒ کی فتویٰ سے مدد ملی، لیکن اس معاملہ میں انھوں نے درجہ بدرجہ ترقی کی پہلے تو انھوں نے اسرار خودی میں خودی کا ایک سادہ اور نامکمل خاکہ قائم کیا، جو زیادہ تر حکماء یورپ یا انھوں نے نشتے کے خیالات و نظریات کی بنیاد پر قائم کیا گیا تھا، اور اسی خاکہ کو پیش نظر رکھ کر بدرجہ ترقی تک ترقی کاروں نے یہ سادہ قائم کی کہ ان کا فلسفہ تمام تر نشتے کے فلسفہ سے ماخوذ ہے، لیکن اس کے بعد انھوں نے اس فلسفہ کے اجزاء و مقدمات میں جو تصرفات اور اضافے کئے، اور اس کو جس شاعرانہ آب و رنگ کے ساتھ پیش کیا، اس نے ان کے فلسفہ کو نشتے کے فلسفہ اور مولانا رومؒ کے صوفیانہ نظریات سے بالکل مختلف کر دیا، ان کو مندرجہ بالا پر صرف چند ذرے ملے تھے، لیکن انہی ذرے کو چمکا کر انھوں نے آفتاب بنا دیا، انھوں نے صرف چند موتی پائے تھے، لیکن انھوں نے ان کو پرو کر ایک خوشنما ہار تیار کر دیا، ان کو صرف چند دھڑلے اور خطوط ہاتھ آئے تھے، لیکن انہی کی مدد سے انھوں نے ایک مکمل مرقع تیار کر لیا جس میں خودی کی تصویر نمایان طور پر نظر آگئی،

انھوں نے بے شبہ نشتے بلکہ درجہ بہت سے فلسفیوں کا اثر قبول کیا، لیکن اثر پذیر ہی اور نقالی میں زمین آسمان کا فرق ہے، سکسپیر کے متعلق آج یہ طے ہو چکا ہے، کہ اس کے تمام ڈراموں کا ماخذ پرانی کمانیا تھیں، لیکن اس کے باوجود اس نے ان میں جو آب و رنگ اور روغن بھرا، اور جو یہ زیب و زینت انھیں بخشا وہ اس سے ہمیشہ ایک اور کمال شاعر کی حیثیت سے مشہور رکھے گا، یہی صورت ڈاکٹر صاحب کی ہے، دنیا کا کوئی بڑا سے بڑا شخص بھی نیستی سے ہستی یا عدم سے وجود کو پا کر کرنے کا مدعی نہیں ہو سکتا، ڈاکٹر صاحب بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے، البتہ انھوں نے رائج الوقت افکار و خیالات کو اپنی قوتِ تخیل کے قالب میں ڈھال کر مسلمان قوم کے سامنے جو کچھ پیش کیا ہے، وہ بالکل ایک نئی چیز ہے، ہر مصورِ خطون اور دائروں ہی سے کام لیتا ہے، لیکن اگر محض اس بنا پر کسی مصور کو تعالٰیٰ نہیں کہا جاسکتا تو ڈاکٹر صاحب جیسے مصور افکار کو بھی تعالٰیٰ کہنا صحیح نہ ہوگا، غرض شعر میں ڈاکٹر صاحب نے حکمت کے جو موتی پروئے ہیں، ان کے متعلق محض یہ کہہ لینا انصافی ہوگی کہ وہ موتی، انھوں نے دوسرے جو ہر لون سے لئے ہیں، ہیراجبت تک تراشائے جائے، اور موتی جب مالین پر دیا نہ جائے، اور جو اس بات جب تک زور میں جڑے نہ جائیں، ان کا جمال معمولی سنگیوں اور خرف پاروں سے زیادہ نہیں ہوتا، ڈاکٹر صاحب نے شاعری پر جو احسان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مشرق اور مغرب اور ماضی و حال کے وہ جو اس پر اسے جو نفسِ انسانی کے آسمان کے تارے ہیں کمالِ شاعری سے اس طرح تراشے اور پروئے اور جڑے ہیں، کہ نوعِ انسان کے لئے ہمیشہ کیلئے بصیرت افزا ہو گئے ہیں،

ڈاکٹر صاحب نے ان جو اس پر پاروں پر بھی اندھا دھند ہاتھ نہیں مارا ہے، بلکہ ان میں تصرفات اور اضافے کئے ہیں، اس لئے جہاں تک افکار کا تعلق ہے، انھوں نے نردم کا کمال تتبع کیا،

نہ نقشے کا نہ برگان کا، اور نہ کارل مارکس کا، نہ لینن کا، اپنے تصورات کا قائلین بنتے ہوئے
ادھون نے رنگین دھاگے اور بعض خاکے ان لوگوں سے لئے ہیں لیکن ان کے مکمل قائلین کا نقشہ
کسی دوسرے کے نقشے کی ہو ہو نقل نہیں ہے، اپنی تعمیر کے لئے انھوں نے ان افکار کو سنگ و خشت
کی طرح استعمال کیا ہے، ڈاکٹر صاحب ان مفکر شاعر و بین بین جن کے پاس اپنا ایک خاص
زادہ نگاہ اور نظریہ حیات بھی ہوتا ہے، محض افکار کے ادھر ادھر کے اخذ کردہ عناصر سے اس کی
توجیہ نہیں ہو سکتی بلکہ

عشق اور عقل کا باہمی تعلق جس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنی شاعری کا بہت سا حصہ وقف کیا ہے
پیر و دی کا خاص مضمون ہے، ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون میں فقط مرشد کے الفاظ کو دہرایا نہیں، بلکہ جہت
افکار سے اس میں بہت دلکش رنگ اپنی طرف سے بھرے ہیں،

۱۰ سالہ اردو اقبال نمبر ۸۳۱ء ۱۰۲۵ ایضاً ۸۳۲ء

تاریخ سندھ

ہندوستان میں مسلمانوں کا پہلا قافلہ سندھ میں اتر آیا تھا، اور ان کی پہلی حکومت یہیں قائم ہوئی تھی، اور
وہ ایک ہزار سال سے اوپر بیان کے حکمران رہے، آج بھی سندھ کے درو دیوار سے ان کے آثار نمایاں ہیں
لیکن اس کے باوجود اردو دین اسلامی سندھ کی کوئی مفصل و محققانہ تاریخ نہیں تھی، دارالمصنفین نے
تاریخ ہندوستان کے سلسلہ میں یہ جامع و محققانہ تاریخ مرتب کرائی ہے، اس میں سندھ کی ایک
ہزار سال کی سیاسی و علمی تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے، مسلمان اس قدیم اسلامی خطہ کی تاریخ فراموش
کر چکے تھے، اب پھر اس کو یاد کرنے کی ضرورت ہے، ضخامت ۷۷۰ صفحے، قیمت ۱۰ روپے،
مرتبہ مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی و سنوی سابق رفیق دارالمصنفین عظیم گڑھ "میں بھر"

فتاویٰ عالمگیری

اور
اس کے چند اور مولفین

جناب حافظ مولوی مجیب اللہ صاحب رفیق دارالمصنفین

دسمبر ۱۹۷۷ء کے معارف میں فتاویٰ عالمگیری پر جو مضمون لکھا گیا تھا، اس میں اس وقت جو معلومات
تلاش سے مل سکے انہیں پیش کر دیا گیا تھا اس نو دس مہینہ میں بعض نئے معلومات حاصل ہو گئے ہیں
جنہیں پیش کیا جاتا ہے،

فتاویٰ کی تالیف کا طریقہ | فتاویٰ عالمگیری کے جمع و ترتیب کا طریقہ یہ تھا، کہ فقہی ابواب کے لحاظ
سے اس کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، اور ہر حصہ کے لئے ایک الگ صدر اور صدر کے لئے چند
معاونین کی ایک جماعت مقرر تھی، ہر صدر اپنے اپنے حصہ کا ذمہ دار تھا، اخذ و استنباط میں اگر
کوئی غلطی ہو جاتی تھی، تو ملا نظام جو اس مجلس کے صدر اعلیٰ تھے، اس شعبہ کے صدر سے باز پرس
کرتے تھے، اس کی تفصیل آگے آتی ہے، ذیل میں ان لوگوں کے نام درج کئے جاتے ہیں جن پر
اس کے کسی حصہ کی تکمیل کی ذمہ داری تھی،

۱۔ حصہ اول کے جمع و ترتیب کا کام شیخ جلال الدین محمد جوہر پوری کے سپرد تھا، مشاہیر
۲۔ دسمبر ۱۹۷۷ء کے معارف میں ان کا مفصل تذکرہ آچکا ہے،

جو پورین ہے -۱-

از تصنیفات و تالیفات فتاویٰ عالمگیری حصہ اول است کہ حسب الامر سلطانی

جمع نمودہ (ص ۱۲۲)

یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ کتنے علماء و معارف کی حیثیت سے اُن کے شریک کار تھے،

۳۔ ایک حصہ کی تکمیل شیخ وجیہ الدین گوپالموی کے ذمہ تھی، اور ان کی امداد و اعانت کے لئے

دس عالم اور مقرر تھے، لیکن اُن کے ناموں کی تصریح نہیں مل سکی، مراۃ العالمین صرف آٹھ ہے کہ

(شیخ وجیہ الدین) در ترتیب و تالیف ربیع فتاویٰ عالمگیری شاہی مامور شد و

وہ کس دیگر از فضلا بہد و اعانت او مامور شدند

اگر اسی پر دوسرے حصوں کو بھی قیاس کیا جائے تو مولفین فتاویٰ کی تعداد چالیس پچاس

تک پہنچ جائے گی،

۴۔ ایک حصہ کی تالیف شیخ محمد حسن جو پوری کے زیر اہتمام تھی، مراۃ العالمین ہے،

در ربیع از فتاویٰ عالمگیری شاہی باہتمام او (محمد حسین) زمینت اتمام یافت (ض)

اُن کے معاونین کی تعداد اور ان کے نام کا علم نہیں ہو سکا،

۵۔ انفاس العارفین کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کسی حصہ کی تکمیل ملاحد جو پوری کے

زیر صدارت بھی ہوئی تھی،

(ملاحظہ فرمائیے) ملاحد را عتاب کرد کہ این جلد با عتماد شما گذشتہ بودم و توبیش

بادشاہ مرا خیف کردید (ص ۲۲)

شاہ عبدالرحیم صاحب آپ کے معاونین میں تھے، اور شریک کی تعداد اور نام کی تفصیل نہیں

ملے، مگر در ان تصنیف ص ۳۰۰ شاہ ولی اللہ صاحب اپنے والد کے حالات میں یہ کتاب لکھی ہے،

معلوم ہو سکی،

تلاش و تفحص سے انہی چار آدمیوں کے متعلق یہ تصریح مل سکی ہے، اگر کسی حصہ کے جمع و تیسرے

کی ذمہ داری اُن کے سپرد تھی، لیکن یقینی طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کام چار ہی حصوں میں منقسم تھا،

اور یہی چار اوس کے ذمہ دار تھے، یا اس سے زیادہ،

اکتوبر ۱۲۲۵ء کے معاہدہ میں برادر محرم مولانا ابو ظفر صاحب ندوی نے شیخ یربان پور بھالہ

مراۃ العالمین کے ناموں کی فہرست دی ہے، ان میں سے دو ناموں یعنی علی اکبر سعد اللہ خانی اور محمد اکرم

لاہوری کے متعلق مراۃ العالمین یا کسی دوسری کتاب میں کوئی تصریح نہیں مل سکی کہ وہ کس حصہ کے صدر

بنائے گئے تھے، بلکہ محمد اکرم لاہوری تو جامعین فتاویٰ میں بھی نہیں ہیں، محمد اکرم نام کے ایک

دوسرے عالم جو مبارک کے رشتے والے تھے، البتہ اس میں شریک تھے، لیکن انہیں بھی کوئی ذمہ دار

حیثیت حاصل نہیں تھی،

فتاویٰ کی تدوین میں عالمگیر نے فتاویٰ کی تدوین کے لئے خزانہ شاہی سے صرف ایک کثیر رقم

عالمگیری کی علمی شرکت کی منظوری اور علماء کی ایک جماعت کے تقریبی پر کتبنا نہیں کیا، بلکہ ذاتی طور

سے بھی وہ اس سے کافی دھپسی لیتا تھا، اور روزانہ اس کے دو چار صفحے خود غلطی و تنقید کی نگاہ سے

دیکھتا تھا، اور اس کی فرد گذاشتوں اور خامیوں پر بلا نظام کو متوجہ کر رہتا تھا،

شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب جو جامعین

فتاویٰ میں تھوڑا سا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے، شاہ صاحب کہتے ہیں کہ

والد صاحب نے ایک روز فرمایا کہ میں فتاویٰ عالمگیری پر نظر ثانی کر رہا تھا، ایک جگہ

عبارت پیچیدہ تھی، سمجھ میں نہیں آئی، میں نے اصل ماخذ کی طرف رجوع کیا، تو معلوم

ہوا کہ اس باب کے جامع نے دو عبارتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، جس کی وجہ سے

مسئلہ پیش ہو گیا ہے، میں نے (غصہ میں) اس کے حاشیہ پر لکھ دیا کہ

من لم یقفہ فی الدین قد حنف جس نے دین میں تفتہ حاصل نہیں کیا اُس

فیہ ہذا غلط و صواب ہر گھڑا نے دین میں بکروی کی یہ غلط ہوا درجہ یوں

خود ملا نظام دو چار صفحات روزانہ بادشاہ کو بجا کر سناتے تھے، ایک دن جب

ممول انھوں نے ان صفحات کو عالمگیری کے سامنے پڑھا، تو جلدی میں اس حاشیہ کی عبارت

کو من سے ملا دیا جس سے مطلب بالکل خطا ہو گیا، بادشاہ نے ٹوکا اور پوچھا کہ یہ

عبارت کیسی ہے؟ ملا نظام اس وقت کوئی جواب نہیں دیکے، ادھر یہ کمر ٹال دیا

کہ میں نے اس عبارت کا مطالعہ نہیں کیا تھا جواب کل دینگا

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ پر عالمگیری کی گہری نظر تھی، اور فتاویٰ کی تدوین تصحیح

میں لگی حیثیت سے بھی وہ شریک تھا،

فتاویٰ عالمگیری کا مترجم | گذشتہ مضمون میں فتاویٰ کے مترجم کے متعلق مرآۃ العالم کے اس بیان

کی کہ اس کے مترجم ملا عبد اللہ ابن عبد الحکیم سیالکوٹی ہیں، نزدیک کی گئی تھی، اور قیاس و قرآن سے یہ ثابت

کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس کے مترجم ملا عبد اللہ سیالکوٹی نہیں بلکہ عبد اللہ چلیپی ترکی ہیں

اب خود مرآۃ العالم ہی میں ایک عبارت مل گئی ہے جس کو ہمارے قیاس کی تائید اور اس کے انبیاء

کی تردید ہوتی ہے، عبارت یہ ہے :-

”چلیپی عبد اللہ دہلوی..... و زمان فردوس اشیا فی ازوم ہندوستان دزری

فقر و بری برد..... و درین عصر (عالمگیری) بہ روزیانہ سرفرازی یافتہ

از تکالیف نوکری معاف و خوشن ترجمہ فتاویٰ عالمگیری شاہی مامور است

(ص ۳۰۰ قلمی نسخہ)

بظاہر نام کے اشتراک کے علاوہ اس غلطی کی دوسری کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی،

فتاویٰ کا دوسرا فارسی ترجمہ | فتاویٰ عالمگیری کے پہلے فارسی ترجمہ کے وجود کا جو عالمگیری کے زمانہ

میں کیا گیا تھا، میں تو کوئی علم نہیں ہے، البتہ اس کے ایک حصہ کتاب البجایات کا ایک دوسرا

فارسی ترجمہ مع مختصر شرح موجود ہے، جسے مولانا نجم الدین شاقب قاضی القضاۃ (متوفی ۱۲۲۲ھ) نے

لارڈ سر جان شور (۱۸۹۳ء - ۱۸۹۹ء) کے مشورہ سے کیا تھا، ترجمہ کلکتہ اور گھنٹو کے مطبعوں میں کی گئی با

چھپ بھی چکا ہے، لیکن اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ نظر سے نہیں گذرا، اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ میں

ترجمہ فتاویٰ عالمگیری اور خدا بخش خان لاہوری پٹنہ میں کتاب الحدود و السرقة کے نام سے

موجود ہیں، پٹنہ میں جو نسخہ ہے، اس کے متعلق فرست کے مرتبے لکھا ہے، کہ اس پر کتاب اور

مصنف کا نام درج نہیں ہے، البتہ اس کی پشت پر کسی نے کتاب الحدود لکھ دیا ہے، لیکن مقابلہ

سے یہ ترجمہ مولانا نجم الدین کے ترجمہ سے حوت جرت مل جاتا ہے، اس لئے گمان ہوتا ہے کہ یہ

دہی ترجمہ ہے :-

کتاب الحدود حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے :-

۱۔ باب اول در بیان تفسیر حد موافق شرع و بیان رکن حد و بیان شرط حد و بیان حکم حد،

۲۔ باب دوم در بیان زنا فصل در بیان چگونگی حد با د اقامت حد یا،

۳۔ باب سوم، در بیان دہی کہ موجب حد است،

۴۔ باب چہارم در شہادت ہر نام و رجوع ازان شہادت،

۵۔ باب پنجم در حد شراب،

۶۔ باب ششم در بیان قذف فصل در بیان تعزیر،

کتاب السرقة کے ابواب کی تفصیل ہے،

۱۔ باب اول در بیان سرقہ

۲۔ باب دوم، در بیان آن دزدیہا کہ دست بریدہ می شود، درین، و در بیان آن دزدیہا کہ دست بریدہ نمی شود، در آن فصل در بیان حرز فضل در بیان چگونگی دست بریدن و ثابت گردانیدن آن

۳۔ باب سوم، در بیان چیزے کہ پیدا کند دزد آن چیز را در مال دزدی،

۴۔ باب چهارم در بیان حکم قطاع الطريق

اب ان مولفین کے حالات لکھے جاتے ہیں، جن کا ذکر گذشتہ مضمون میں نہیں ہو سکا تھا،

شاہ عبد الرحیم صاحب ہلوی

ہم وحب شاہ عبد الرحیم صاحب مشہور مین ولی بن پیدہ ہوؤ ان کے والد شیخ وجیہ الدین نے ان کا نام عبد الرحیم رکھا، لیکن خواجہ مین ابو الفیض کے نام سے بھی مشہور تھے،

شاہ صاحب وادھیال کی جانب سے فاروقی اور تاتہال کی طرف سے سید مین، جدی

سلسلہ نسب یہ ہے:-

عبد الرحیم ابن الشہید وجیہ الدین ابن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین

عرفت قاضی قادن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدیع بن عبد الملک بن

قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوبکر

۱۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ابو الفیض ان کی کنیت لکھی ہے، لیکن اس کی حقیقت شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ لکھی ہے کہ مین نے اپنے بعض دوستوں کو سنا کہ عالم بالا مین حضرت کا نام ابو الفیض ہے، چنانچہ میں نے والد صاحب سے اس کے متعلق دریافت کیا، تو وہ مسکرائے اور فرمایا، کہ مجھ میں است و نام تو ابو الفیض است (انفاس العارفین ص ۲۶۹) ان ہندوؤں کے نام مین قاضی اور مین مفتی کی نسبت ان کے علم و فضل کو ظاہر کرتی ہے ۲۔ ملک کا لفظ کسی اعتبار سے ہی شان کا شارح ہے، شاہ ولی اللہ صاحب خود کہتے ہیں کہ ملک دزدان قدیم لفظ تعظیم است شل خان (دردمان ما انفاس ص ۱۵۰)

ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہر بار بن عثمان ابن ہامان بن ہامیون بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم،

مشہور ہے کہ نامنالی سلسلہ نسب حضرت علی بن ابی طالبؑ سے ہو تا ہے، لیکن بہت تلاش و جستجو کے بعد بھی مکمل شجرہ نہ مل سکا، نامکمل شجرہ یہ ہے،

والدہ شاہ عبد الرحیم صاحب بنت شیخ رفیع الدین محمد بن قطب عالم بن عبد الغفر

ابن حسن بن طاہر (انفاس العارفین ص ۱۶۸)

شاہ صاحب کی والدہ کے سلسلہ نسب مین عام تذکرہ نویسوں نے غالباً ذیل کی روایت کو اپنا ماخذ بنایا ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین مین لکھا ہے، کہ ایک روز والد مکرم شاہ عبد الرحیم صاحب نے اپنے ایک خواب کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا، کہ

”بھرت عمر شجرہ ما ی رسد و بھرت علی ازجہ اُمتات شل و اصل میشود (انفاس ص ۲۶۹)

لیکن ازجہ اُمتات کی مزید تشریح کی ضرورت ہے،

۱۔ ہمالیون جرجیس وغیرہ سے بحیثیت کا اظہار ہوتا ہے، جس سے قیاس ہوتا ہے، کہ حضرت عمرؓ کی تین ہی چار پشت کے بعد یہ خاندان عربیہ عجم مین آگیا تھا ۲۔ شیخ طاہر، شیخ حسن، شیخ عبد الغفر اور شیخ قطب کا تذکرہ عبدالحی محدث دہلوی نے اخبار الاخیار مین بھی کیا ہے، لیکن شیخ طاہر کے اوپر کے سلسلہ نسب کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے (اخبار الاخیار ص ۱۸۴) ۳۔ اُمتات کا لفظ جمع ہے، اور اس کو جمع ہی پر محمول کرنا چاہئے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبد الرحیم صاحب نے اپنی والدہ کے ساتھ اپنی دادی زوجہ شیخ معظم اور زوجہ شیخ محمود کو بھی شامل کر لیا ہو گا کیونکہ یہ دونوں خواتین سوئی پت کے سادات گھرانے سے تھیں (واللہ اعلم بالصواب)

شیخ معظم لدیہ از شجاعت وغیرہ متصف بود و قاری عجیبہ دینی باب

بیش از حد احصا است (انفاس ص ۱۶۱)

شیخ معظم کی شادی بھی سونی پت کے ایک ممتاز گھرانے میں سید ذرا بخان کی صاحبزادی سے ہوئی

تھی اس نیک بخت خاتون کے بطن سے تین صاحبزادے شیخ جمال، شیخ فیروز، اور شیخ وجیہ الدین شاہ عبدالرحیم کے والد پیدا ہوئے۔

شیخ وجیہ الدین | شیخ وجیہ الدین بھی اپنی خاندانی خصوصیات کے مالک تھے، ان کی شجاعت بہادری کے تھے بھی عام طور پر مشہور ہیں اور زیادہ تر لوگ ان سے اسی حیثیت سے واقف ہیں، لیکن وہ اس کے علاوہ صلاح و تقویٰ میں بھی سرآمد و زکاوت تھے، تواضع و خاکساری جو شجاعت و بہادری کے ساتھ بہت کم جمع ہوتی ہے، وہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھی،

تلاوت قرآن | تلاوت قرآن خاص معمول تھا، سفر میں ہون خواہ حضرات، روزانہ دو پارے بڑے ہی اہتمام اور سوز و گداز کے ساتھ پڑھتے تھے،

ورع و تقویٰ | ورع و تقویٰ کا دامن بھی کسی حالت میں نہیں چھوڑا، عام طور پر جب کسی ہم پر فوجین جاتی ہیں، تو راستہ میں ہر قسم کی بے عزتیاں شروع کر دیتی ہیں، یہ بھی عالمگیر کی فوج میں ملازم تھے اور بار بار ناز و جگ پر بھی بھیجے گئے، لیکن ان سے کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا حتیٰ کہ کسی کے کھیت میں گھوڑے کو منہ تک مارنے نہیں دیا، بعض اوقات جب کسی فوجی کو کسی کا نقصان کرتے ہوئے دیکھتے، اوڑھ لیا جاتا، تو فوج کی عام شاہ راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کر لیتے،

۱۱۶۱ انفاس العارفین میں ہے: موضع شکوہ بود کہ تعلقہ شیخ معظم بود (ص ۱۶۱) اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صاحب جامداد بھی تھے ۱۱۶۲ انفاس میں ہے کہ سید ذرا بخان کہتے ہیں عالی نسب بود گرامیش (جلد) بحکیم فضل و علم متصف بود (ص ۱۶۲) ۱۱۶۳ انفاس

ایک مرتبہ فوج کو رسد نہیں پہنچ سکی، اس کو عام فوجیوں نے لوٹ مار شروع کر دی، شیخ وجیہ الدین پر دو تین خائے گزر گئے، لیکن انھوں نے کسی غیر مشروع چیز کو اپنے لئے جائز نہیں رکھا، اور دُر کے بعد اتفاق سے تھوڑا سا چاکین پڑا حوالہ کیا، آپ نے اسی کو بھگ کر رسد رتی کا کام لیا،

معاملات میں صفائی | لین دین اور خرید و فروخت کے علاوہ عام معاملات میں بھی شیخ وجیہ الدین بہت محتاط اور امیر و غریب کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے، شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں:-

”معاملہ کہ والدہ من علیہ الرحمہ (شیخ وجیہ الدین) با خدم و خشم و غفلت فروش و غیر آن کی کردہ

بوجہ از رفت و انصاف بود کہ از متقیان روزگار کم دیدہ میشود (انفاس ص ۱۶۳)

انشاف و قناعت | قناعت و استغناء آپ کی خاص خصوصیت تھی، چنانچہ شاہ شجاع کے مقابلہ کے لئے عالمگیر نے جو فوج بنگال بھیجی تھی، اس میں شاہ وجیہ الدین بھی تھے، انھوں نے اس جنگ میں بڑا کام دکھایا، اور ان کی وجہ سے بڑی کامیابی ہوئی، عالمگیر نے اس کے صلہ میں ان کے منصب اور مرتبہ میں اضافہ کرنا چاہا، مگر آپ کی قناعت پسند طبیعت نے اسے پسند نہیں کیا،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی فوجی ملازمت صرف دنیا طلبی کے لئے نہیں تھی، بلکہ اس میں دینی خدمت اور جہاد کی رُوح بھی موجود تھی، اس جذبہ جہاد کا پتہ آپ کے واقعہ شہادت کو بھی چلتا ہے واقعہ شہادت | شاہ عبدالرحیم صاحب بیان فرماتے ہیں کہ والد صاحب حسب معمول ایک روز مسجد کی نماز پڑھ رہے تھے، سجدہ میں معمول سے زیادہ دیر ہوئی اس سے مجھے خیال ہونے لگا کہ کہیں آپ کی روح تو نہیں پرواز کر گئی، لیکن دیر کے بعد جب آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا، تو میں نے پوچھا آج آپ نے سجدہ میں اتنی دیر کیوں کی؟ فرمایا، آج میں اللہ تعالیٰ سے بڑی آہ و زاری کے ساتھ یہ دعا کرتا تھا، کہ مجھے شہادت نصیب فرما، اپنا کچھ مجھ پر دعا کی مقبولیت کا اطمینان ہو گیا ہے، اور یہ بھی

اشارہ مل گیا ہے کہ میری جاے شہادت دکن میں ہے،

شاہ ولی اللہ صاحب بیان فرماتے ہیں کہ اس ائمہ سہیلے ہی آپ شاہی ملازمت دست بردار ہو چکے تھے، اور فوجی کاموں سے نفرت پیدا ہو چکی تھی، دکن جانے کے لئے سامان سفر موجود نہ تھا، مگر آپ نے فوراً تمام سامان درست کیا، سواری کے لئے ایک عمدہ گھوڑا خریدا، اور اس ارادہ کے ساتھ دکن روانہ ہوئے، کہ سیواچی کا جو دکن میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی زیادتیوں کر رہا ہے، ... قلع قمع کر دینا۔ لیکن جب برہانپور (گجرات) پہنچے تو اشارہ غیبی ہوا کہ اپنی جاے شہادت پیچھے چھوڑ آئے، اس لئے آپ وہاں سے پلٹ پڑے، قصبہ ہنڈیا میں کچھ تاجر بھی جو دلی جا رہے تھے، آپ کے ساتھ ہو گئے، ہنسار میں ایک دن ایک سو سالہ بڑھیا جو ڈاکوؤں کی جاسوس تھی، افتان و خیزان آپ کے پاس آئی، آپ نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے، اُس نے کہا دلی جانا چاہتی ہوں، آپ نے اُسے بھی قافلہ میں شامل کر لیا، اور وہ جتنے روز قافلہ کے ساتھ رہی، آپ کے ملازم سے کچھ پیسے روزانہ لے کر خرچ کرتی رہی، جب یہ قافلہ سراسر بڑیا پہنچا، تو اس پریرالہ نے اپنے ڈاکو ساتھیوں کو اطلاع کر دی، گھوڑی دیر کے بعد ڈاکوؤں کی جماعت سراسر میں پہنچی، آپ اُس وقت تلاوت قرآن میں مشغول تھے، دو تین ڈاکوؤں نے آپ کے سامنے آکر پوچھا، وجہ اللہ میں کس کا نام ہے، جب معلوم ہوا کہ آپ کا نام ہے تو یہ کلمہ آگے پڑ گئے کہ ہم تم سے کوئی کام نہیں، کیونکہ تمہارے پاس مال و متاع بھی نہیں ہے، پھر ہماری ایک جماعت نے تمہارا تمک بھی کھایا ہے (ابا یہ بڑھیا کے پیسے لینے کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اس قافلہ میں فلان فلان تاجر سے کام ہے، اور اُنہی کا مال و اسباب ہمیں لوٹنا ہے، ڈاکوؤں نے اگرچہ آپ کوئی تعرض نہیں کیا، لیکن آپ نے رفاہ سفر کا ساتھ چھوڑنا پسند نہیں کیا، اور اُن کی ممانعت کے لئے تیار ہو گئے، اور دونوں طرف سے جنگ شروع ہو گئی، آپ نے بڑی پامردی سے ڈاکوؤں سے مقابلہ کیا، لیکن گروہ کا مقابلہ آسان نہ تھا، آپ کے بدن پر بے باکی سے گہرے

زخم آئے تھے، جس سے آپ کا جسم بالکل چور ہو چکا تھا، کہ اسی حالت میں ایک شقی نے گردن پر ایک کاری ضرب لگائی، اور آپ کا سر تن سے جدا ہو گیا، اس طرح آپ کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، شہادت کے سنہ و تاریخ کی کوئی تصریح نہیں مل سکی،

اولاد | آپ کی شادی شیخ رفیع الدین محمد کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، اُن کے بطن سے تین صاحبزادے شیخ عبدالحکیم، شیخ ابوالرضا محمد، اور شاہ عبدالحکیم پیدا ہوئے، اور مینوں صاحب علم و فضل اور صاحب رشد و ہدایت ہوئے، ان میں شاہ عبدالحکیم صاحب کے حالات پیش کئے جاتے ہیں،

شاہ عبدالحکیم صاحب | شاہ عبدالحکیم صاحب نے علم و فضل و محبت و خیرات اور استغناء و تناعت اپنے اسلاف کے اجمالی تعارف بطور وراثت پائی تھی، شاہ صاحب کا دادیہالی، اور نامہالی دونوں خاندان

سلسلہ شیخ رفیع الدین کا خاندان متان کا رہنے والا تھا، اُن کے اجداد میں شیخ عالم تعلیم کے لئے بہار گئے، کبیل تعلیم کے بعد قاضی بدھستانی (بہار کے قاضی) نے اپنی صاحبزادی سے اُن کی شادی کر دی، اس سلسلہ سے وہ کچھ روز بہار ہی میں رہے، پھر اپنے اہل و عیال کے ساتھ جو پورہ آئے، اور وہیں متوطن ہو گئے، اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے شیخ حسن بھی کچھ روز جو پورہ ہی میں رہے، لیکن ۱۱۹۵ھ یا ۱۱۹۶ھ میں دہلی چلے آئے، تقوٰت میں ایک کتاب مفتاح الیقین آپ کی یادگار ہے (ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۳۶) اُن کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز صاحب شکر بار اپنے وقت کے بڑے مرقاض بزرگوں میں تھے، ۱۲۰۵ھ میں پیدا ہوئے، ۱۲۰۶ھ میں وفات پائی، محدث دہلوی لکھتے ہیں، اور اور تواضع و حلم و صبر و رضا و تسلیم و شفقت بر خلق و اعانت فقر و انظار نمود، در زمان خود یادگار مشائخ چشت بود، در دہلی بوجہ او سلسلہ ارشاد و شیخت برپا بود (اخبار الاخیار) شیخ عبدالعزیز و جدہ وجود کے قائل تھے، کئی کتابیں بھی اُن کی یادگار ہیں، وحدۃ وجود میں رسالہ عینیہ اور تقوٰت میں رسالہ عزیزیہ اور آداب السلوک شیخ عبدالعزیز کے صاحبزادے شیخ قطب عالم یعنی شاہ عبدالحکیم کے پڑنا بھی اپنے وقت کے انتہا میں تھے، محدث دہلوی لکھتے ہیں، قطب عالم عالم و فضل و صاحب خلافت حمیدہ و صفات پسندیدہ قدم صدق و استقامت بر سجادہ پر نہادہ اوقات بطاعت عبادت معزز اور خباہ الاخیار

لکھا چکا ہے، ہمیشہ صاحب عزت و جاہت رہا، اور ان کے اکثر و بیشتر افراد فضل و کمال، صلاح و تقویٰ کا نمونہ تھے، اور غالباً فیض تھا دو دمان فاروقی اور مرتضوی سے نسبت و تعلق رکھا،

شاہ صاحب نے اپنے اسلاف سے علم و فضل، ارشد و ہدایت اور صلاح و تقویٰ کا جو خزانہ بطور وراثت پایا تھا، اس کی انھوں نے پوری نگہداشت کی، اور اسے ہمیشہ حرز جان بنائے رکھا، کلاس اصل سرمایہ میں کچھ بیش بہا اضافہ بھی آئینہ صفیات میں ان کے اسی کا زمانے کی تفصیل بیان کی جائے گی،

تعلیم و تربیت اور ماحول | شاہ صاحب نے جب آنکھ کھولی تو اپنے گھر کو علم اور دین کے چرچے سے معمور پایا،

مذہب تک اللہ و رسول کے ذکر کے علاوہ کان میں اور کوئی آواز نہیں پڑی، خاندان کے بزرگوں کی موجودگی کی وجہ سے خاندان کا ماحول بھی جادہ اسلاف سے ہٹا نہیں تھا، آپ کے والدین خود شب نہ دیا

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۱) شیخ قطب عالم کے صاحبزادے شیخ رفیع الدین محمد شاہ عبد الرحیم کے ناما میں یہ خواجہ باقی باللہ کے ارشد خلفار میں سے تھے، خواجہ باقی باللہ کو شیخ رفیع الدین سے اتنا شدید تعلق تھا، کہ لوگ ان کو خواجہ کا محبوب کہتے تھے، ان پر بھی وحدت وجود کا بڑا غلبہ تھا، آپ کی روح شادیاں ہوئی تھیں، پہلی شادی کا کوئی علم نہیں، دوسری شیخ محمد اعظم پوری کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، انہی کے بطن سے شاہ عبد الرحیم صاحب کی والدہ پیدا ہوئی، آپ کی اس شادی میں خود حضرت خواجہ باقی باللہ اور بہت سے صوفیہ شریک تھے، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں خواجہ (باقی باللہ) لاچار شدہ و اعظم پور رفتہ، صوفیہ ان ناسیہ چون مقدم خواجہ شنیدند، ہمہ جمع آمدند در نواچی صد کرد و کہ کسی باشند از صوفیہ کہ در ان صحبت حاضر نشد، مجلس عجیب کہ ہرگز مثل ان مسومع نشدہ (انفاس ص ۱۷۳) شیخ رفیع الدین نے ایک دن گھر کا تمام سامان جمع کر کے اپنی تمام اولاد میں تقسیم کر دیا، جب چھوٹی صاحبزادی یعنی شاہ عبد الرحیم صاحب کی والدہ کی باری آئی، تو انھوں نے ان کو چند اوراق بن میں کچھ اور ادھونٹا لٹا اور اپنے پیروں کا شجرہ تھا دیا، صاحبزادی کی والدہ نے کہا کہ ابھی لڑکی کی شادی نہیں ہوئی، سامان شادی دینا چاہئے، اوراق دینے سے کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے بزرگوں کی اصلی میراث ہے، جسے میں اس کو دے رہا ہوں، انشاء اللہ اس کے بطن سے ایک لڑکا ہوگا جو ہماری معنوی میراث کا مالک ہوگا، جب شاہ عبد الرحیم صاحب بڑے ہوئے تو ان کی مانی نے وہ اوراق ان کے حوالہ کر دیئے، اور وہ واقعی اس معنوی میراث کے مالک ہوئے (انفاس ص ۱۷۳)

اور تہجد گزار تھے، اس لئے آپ بچپن ہی سے ان کی عبادت اور تہجد اور اذکار و اشغال کو دیکھتے، ان میں شریک ہوتے تھے، اسی ماحول میں آپ کی تعلیم و تربیت شروع ہوئی، والدی گوارہ احسان و تقویٰ میں آپ کی روحانیت پروان چڑھی،

ابتدائی کمپنی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، جب سن شعور کا آغاز ہوا تو عربی شروع کرائی گئی، عربی کی ابتدائی کتابیں اپنے بڑے بھائی شیخ ابو الرضا محمد سے پڑھیں، دس سال کی عمر میں متوسطات کی تکمیل کر لی خود فرماتے ہیں :-

رسائل فنار ما شرح عقائد و حاشیہ خیالی بخدمت خد و می اخوی شیخ

ابو الرضا گدرا نیدم

اس کے بعد نیز از اہل ہر دی کی خدمت میں جا کبر آباد میں عالمگیری کی طرف سے منتخب ہوئے، پہنچے، اور بقیہ کتابیں ان سے پڑھیں،

استاد کی شفقت | شاہ عبد الرحیم صاحب میرزا ہد کے عزیز ترین تلامذہ میں تھے، میرزا ان کی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے ان سے اس قدر محبت کرتے تھے، کہ جس روز یہ مطالعہ کر کے نہیں آتے تھے اس روز بھی ایک دوسٹر بن پڑھا دیتے، کہ ناغہ نہ ہونے پائے، خود فرماتے ہیں،

"دانشان با من التفات بسیار می کردند، بحدی کہ می گفتند کہ امر و مطالعہ نہ کردہ ام"

۱۵ انفاس ص ۱۵۱ نیز بقول امجدی، شیخ ابو الرضا اپنے زمانہ کے بڑے صاحب حال اور صاحب کرامت بزرگ ہوئے ہیں، شاہ عبد الرحیم صاحب اور ان کے خاوند کی روحانی تربیت میں ان کا بڑا ہاتھ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ علمی حیثیت سے بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، شاہ ولی اللہ صاحب نے انفاس العارفین میں ان کا حال بہت مفصل لکھا، جو کہ اس وقت کے مشہور اساتذہ میں تھے، اور یونانی فلسفہ و منطق میں ان کی حیثیت امام کی بھی جاتی تھی، آثار الکرام میں ان کا تذکرہ موجود ہے،

نی گفتہ ایک دوسرے خرائد کہ ناغہ نشود، (انفاس ص ۳۲)

استاذ اور شاگرد میں غایت تعلق کی وجہ سے ایک طرح کی مساوات اور بے تکلفی ہو گئی تھی۔ میرزا اہد کے اس مساویانہ برتاؤ سے جو اپنے وقت کے ارسطو اور افلاطون سمجھے جاتے تھے، لوگوں کو سخت تعجب ہوتا تھا۔

ایک روز عالمگیر نے میرزا اہد کو کسی ضرورت سے بلا بھیجا، وہ جانے کا قصد کر ہی رہے تھے، کہ شاہ عبد الرحیم صاحب پہنچ گئے، انھوں نے مکان کا دروازہ بند کر دیا، اور کہا کہ جب تک میرا فدان کام نہ ہو جائے گا، آپ کو نہ جانے دوں گا، امیر صاحب نے کہا اس وقت پر اگندہ خاطر ہوں بادشاہ کے پاس سے واپس ہو کر اس کام کو انجام دوں گا، لیکن شاگرد نے پھر اصرار کیا، آخر کار وہ ٹھہر گئے اور اس کام کو انجام دینے کے بعد دوبارہ میں گئے۔

جودت طبع اور قوت مطالعہ | شاہ صاحب لڑکپن ہی سے نہایت ذہین اور ذکی تھے، جودت طبع اور قوت مطالعہ کا یہ حال تھا کہ ان کے اساتذہ اور ہم سبق ان کے نئے نئے سوالات اور اعتراضات سے گھبرا جاتے تھے، ایک مرتبہ اپنے بڑے بھائی شیخ ابورضا سے خیالی پڑھ رہے تھے، اثنائے درس میں کوئی اعتراض کیا، شیخ نے جواب دیا، لیکن انہیں تسکین نہیں ہوئی، انھوں نے دوبارہ اعتراض کیا، اور استاد و شاگرد میں بحث و مباحثہ اتنا طویل کھینچا کہ استاد ناخوش ہو گئے، اور انھوں نے ان سے پڑھا چھوڑ دیا۔

شرح کتابیں عظیم | بیان میں ایک عبارت دقت جو جس کے حل کرنے میں اکثر فضلاء الٹک جاتے ہیں، مطالعہ کے دوران میں ان کے دل میں ایک اعتراض پیدا ہوا، صبح کو انھوں نے اسے اپنے ہم سبق شیخ حاکم سے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ میرے ذہن میں بھی یہی اعتراض آیا تھا، شاید تورا رد ہو گیا ہے دوسرے لے انفاس ص ۳۳ لے ایضاً ص ۱۵۸

روز اس اعتراض کو حل کیا، اور اسے ایک دوسرے اعتراض پیدا کیا اسی طرح کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا، اگرچہ تعلیم کی تکمیل میرزا اہد کی خدمت میں کی تھی، لیکن یہ تحصیل تحصیل حاصل تھی، اس لئے کہ اکثر کتاب کے شروع کا حصہ میرزا اہد سے پڑھتے تھے، اور آخر کے حصہ کا خود درس دیتے تھے، ان کے الفاظ یہ ہیں،

”اگرچہ اتمام تحصیل بخیرت میرزا اہد کر دم، اما گویا تحصیل حاصل می شد، بسامی بود کہ اذالہ کتاب فی خواندم و اذ آخر درس می گفتم،

(انفاس ۱۶)

یہ توصیف پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے حدیث و فقہ اور تفسیر کس سے پڑھی، مگر قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوالرضا ہی سے پڑھی ہوگی، اس لئے کہ ان کے دوسرے استاذ میرزا اہد ہر دو ہی ہیں، جو اس کوچہ سے باطل نابلہ تھے، اور میرے کسی کے سامنے انھوں نے رانویہ ملذذہ نہیں کیا، اور حقیقتہً ان علوم کی تکمیل میں تعلیم و تلمذ سے زیادہ ان کی فطری مناسبت اور بزرگوں کی صحبت کا اثر تھا، درس و تدریس | شاہ صاحب نے تکمیل تعلیم کے بنیادی درجہ قائم کیا، جس میں انھوں نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا تھا، ان کے درس میں فقہ و تصوف، کلام و فلسفہ کے علاوہ قال اللہ و قال الرسول کی آواز بھی، جو ہندوستان میں ابھی بہت عام نہیں ہوئی تھی، سنائی دیتی تھی، اثنائے دلی اللہ صاحب کو قرآن و حدیث کی وہ روشنی جس کو انھوں نے اتنا پھیلا یا کہ سارا ہندوستان منور ہو گیا، سب سے پہلے اپنے والد شاہ عبد الرحیم ہی کے درس سے ملی تھی،

آپ کی دی ہوئی کئی سندیں آپ کے مجموعہ مکتوبات میں موجود ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ

لے انفاس ص ۱۵۵ یہ اس شخص کے متعلق کہ رہے ہیں، جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا اور مسلم معقول تھا، اس سے کلام آپ کے بعد مدرسہ رحیمیہ پڑا، لے انفاس رحیمیہ کلام سے آپ کے چھوٹے صاحبزادے شاہ اہل اللہ صاحب آپ کے مکاتیب کو جمع کیا تھا، جو مطبع بھتیائی میں ۱۹۱۵ء چھپ گیا، جو اس مجموعہ میں آپ کی دی ہوئی کئی سندیں بھی نقل ہیں، ۱۶

چیزوں کی اجازت آپ خاص طور سے دیتے تھے، تفسیر حدیث اور تصوف ایک سند میں فرماتے ہیں
اجزائہ لدین من التفسیر والحدیث،

دوسری سند میں فرماتے ہیں :-

وتعلمت منی علما التفسیر والحدیث والتصوف،

آپ کے علم و فضل کے بیان میں ہم اس کی تفصیل کریں گے، آپ کے تلامذہ اور متوسلین کی فہرست
بہت فی جی ہے، اس لئے ہم دونوں کی فہرست آگے چل کر ایک ہی جگہ دیں گے،
روحانی تربیت | علم ظاہر کے ساتھ ہی ساتھ گھر کے ماحول میں ان کی باطنی تربیت بھی شروع ہو چکی
تھی، اور غیر محسوس طور پر ان کی روحانیت فروغ پا رہی تھی، شاہ صاحب کے حالات پڑھنے سے معلوم
ہوتا ہے، کہ احسان اور تصوف سے ان کو فطری لگاؤ تھا، جس کے آثار بچپن ہی سے نمایاں
ہونے لگے تھے، خود بیان فرماتے ہیں کہ میرے مامون شیخ عبدالحی اپنے لڑکوں کی حالت دیکھ کر
فرمایا کرتے تھے کہ

”تریدم کہ میرا ملائکہ از عجب ما منقطع گردد“

لیکن ایک روز مجھے بڑے اہتمام سے وضو کرتے ہوئے دیکھا تو یہی مسرور ہوئے، اور

فرمایا کہ

”حال معلوم شد کہ حامل آن سرور خاندان مابودہ است اگر در اولاد پس نیست چہ پاک

واعتقاد دختر می هست (انفاس ص ۱۱)

ان کے علاوہ دوسرے بزرگوں نے بھی ان کے صلاح و رشد کو دیکھ کر یہ انداز لگایا تھا کہ

”بچہ اس راہ میں کسی متنازعہ شخصیت کا مالک ہو گا شاہ صاحب کے مفسر عبد اللہ صاحب نے ایک مرتبہ
ان سے فرمایا کہ جب تم چھوٹے تھے، اور لڑکوں کے ساتھ لہو و لعب میں مشغول رہتے تھے اس وقت

میری طبیعت قادی طرف مائل تھی، اور میں تمہارے لئے یہ دعا کیا کرتا تھا کہ

بارے خدا یا این طفل را از دنیا گردان (انفاس ص ۱۱)

بارہ برس کی عمر میں آپ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو خواب میں دیکھا، اس کے بعد سے آپ کے
روحانی ذوق میں ایک غیر معمولی انقلاب پیدا ہوا، اور ذکر واذکار میں پہلے سے زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی،
بیت کا قصد | یوں تو اپنی فطری صلاحیت کی بنا پر اپنے احسان و تصوف کی بہت سی منزلیں طے
کر لی تھیں، لیکن اس میں بچگی اور دوام کے لئے کسی ہاتھ میں ہاتھ دینے کی ضرورت تھی، اس خواب کے
بعد اپنے بیت کا قصد کیا، لیکن ابھی اس کی نوبت نہیں آنے پائی تھی کہ ایک روز حضرت خواجہ نقشبند یا
شیخ عبد الغنی شکر آباد کو خواب میں دیکھا، کہ وہ فرما رہے ہیں،

”اے فرزند ارادت کہے مرے تانا کہ حضرت خواجہ ترا قبول نہ فرمائید“

شاہ صاحب صبح کو حضرت خواجہ خرد (حضرت باقی باللہ کے عا جزا دے) کی خدمت میں حاضر ہوئے
اور خواب کی تعبیر پوچھی، اور تعبیر طے سے پہلے ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ شہر میں اس لقب (خواجہ) سے آپ کے
علاوہ کوئی مشہور نہیں ہے، غالباً یہ اشارہ آپ ہی کی طرف ہے، اس لئے اپنی خدمت میں قبول فرمایا
حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس خواب میں اشارہ میری طرف نہیں ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ کی طرف ہے،
انشاء اللہ تم کو زیارت نصیب ہوگی، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد یہ سعادت بھی نصیب ہوئی،

کچھ روز کے بعد پھر خواجہ خرد کی خدمت میں حاضر ہو کر دوبارہ بیت کی درخواست کی، انھوں نے
اذراہ تو واضح یہ قدر کیا کہ میں اتباع سنت میں متساہل ہوں، اور یہ نہیں چاہتا کہ تم جادہ شریعت
سے ذرا بھی الگ ہو،

بیت کا مشورہ | شاہ صاحب نے کہا کہ پھر آپ ہی مشورہ دیجئے، کہ میں کس سے بیت ہو جاؤں، خواجہ خرد
نے فرمایا کہ اگر سید آدم نور علی کے خلفار میں کوئی مل جائے تو اس سے بہتر کوئی نہیں ہے، شاہ صاحب نے

حافظ سید عبداللہ کا نام لیا، خواجہ صاحب نے تائید فرمائی، چنانچہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت ہوئے، فرماتے ہیں:-

”باوجود اسکے طریق اختار و دخول برایشان غالب بود، در اول مرآۃ بعیت قبول

نمودند، (انفاس ص ۷)

حافظ صاحب اُن کو بید غریزہ رکھتے تھے، کبھی کوئی خدمت نہیں لیتے تھے، اگر وہ کبھی ارادہ بھی کرتے تو حافظ صاحب ہال دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ شاہ صاحب خدمت کی غرض سے حاضر ہوئے، مرشد نے تھوڑی سی خدمت لے کر فرمایا کہ

”ابن خطرہ (خدمت) را بخاطر خود راہ نہ میداد، کہ جمیع حقوق صحبت چہ ظاہری و چہ باطنی

ہمہ عنوکر دم (انفاس ص ۱۲)

اس درمیان میں آپ کی آمد و رفت خواجہ خود کے پاس بھی ہوتی رہی، اور ان سے بھی استفادہ اور صحبت کا سلسلہ جاری رہا، اگرچہ شاہ صاحب ان سے باقاعدہ بیعت نہیں تھے، لیکن اُن کی صحبت سے پورا فائدہ اٹھایا، خواجہ صاحب کی حیثیت مرید مرشد کی تھی، مگر انھوں نے شاہ صاحب ہمیشہ غریزانہ برتاؤ رکھا، ایک مرتبہ شاہ عبدالرحیم سے خواجہ صاحب کی مجلس میں کسی میخوار سے بحث ہو گئی، شاہ صاحب خوش ہو کر چلے آئے، اور ارادہ کیا، کہ اب خواجہ کی مجلس میں نہ جاؤں گا، دو تین روز کے بعد خواجہ خود خود ان کے مکان پر آئے، اور بہت ہی لطف و محبت سے ناخوشی دور کی،

فیضا بواقاسم | حافظ صاحب کی وفات کے بعد آپ کو کسی دوسرے مرشد کی تلاش ہوئی، کسی نے فیضا بواقاسم اکبر آبادی کا ذکر کیا، شاہ صاحب اکبر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ نے اُن کی بڑی پزیرائی کی، اور بہت شفقت اور عنایت سے پیش آئے، اُن کی تربیت میں خاص توجہ کی

ملہ انفاس ص ۱۰

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

”آں کہ بعض قدیمان برمن حسدی بودند، (انفاس ص ۱۰)

حضرت خلیفہ کو اس قدر تعلق خاطر تھا، کہ جب شاہ صاحب کو بیعت و ارشاد کی اجازت دی تو ایک بڑی دعوت کی جس میں بہت سے خواص و عوام شریک ہوئے اور اس مجمع کو سامعہ حضرت خلیفہ نے شاہ صاحب کے سر پر دستار اُٹھا دیا و خلافت باندھی،

شاہ عبدالرحیم کو بھی مرشد سے بڑی محبت تھی، خود فرماتے ہیں، کہ حضرت خلیفہ مجھ سے اکثر فرمایا کرتے تھے، کہ درویشان شہر رازیارت کنید، لیکن میں اس سے اس لئے پس و پیش کرتا تھا، کہ مرشد سے تعلق کی کیسوی میں فرق نہ آجائے،

ایک دن حضرت خلیفہ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ سید غلط اللہ (جو چشتیہ سلسلہ کے بڑے برگزیدہ بزرگ تھے) کی خدمت میں جاؤ، ان کو حسب معمول اس میں تامل ہوا، تو آپ نے خادم سے کہا کہ اُن کو سید صاحب کی خدمت میں لے جاؤ، چنانچہ آپ خادم کے ہمراہ سید صاحب کی خدمت میں گئے، وہ زاننا خانہ میں صاحب فرماں تھے، اس لئے پہلے تو انھوں نے معذرت کر دی، لیکن جب حضرت خلیفہ کی نسبت کا خیال آیا تو خادم سے چارپائی اٹھوا کر باہر تشریف لائے، اور شاہ صاحب سے نام و نسب پوچھا، انھوں نے بتایا، مگر شیخ عبدالغفریز شکر بار کی نسبت کا انکار نہیں کیا، مگر باتوں باتوں میں جب سید صاحب کو اس نسبت کا علم ہو گیا تو وہ فوراً چارپائی سے نیچے اتر آئے، یہ تو واضح و شفقت فرمائی، اُن کے سر پر غلام باندھا، اور کچھ نقد اور کچھ تبرکات پیش کر کے فرمایا، یہ تبرکات شیخ عبدالغفریز شکر بار نے میرے دادا کے حوالہ کئے تھے، جسے آج میں تمھارے سپرد کرتا ہوں،

شاہ صاحب یہ تبرکات لے کر حضرت خلیفہ کی خدمت میں آئے، اور اُن کے سامنے رکھ دیئے

انہوں نے فرمایا کہ

نقد اشارت است جمعیت ظاہر و عامہ اشارت بہ اجازت و جمعیت باطن و درین

ہر دو امر شریک تو ان شد (انفاس ص ۲۸)

اس جمعیت ظاہر کی بشارت کے بعد خود شاہ عبدالرحیم صاحب کا بیان ہے کہ معاشی پرانگندگی

کا سوال اُن کی زندگی میں سرے سے پیدا ہی نہیں ہوا، اور نہ جمعیت باطن کی اس خوشخبری کے بعد

انہیں معادی حیات کے لئے کبھی کوئی دشواری اٹھانی پڑی، (دلی الشہر ص ۱۸۶)

تلاذہ اور توسلین | شاہ صاحب کے تلاذہ اور توسلین کی کوئی تفصیل تذکروں میں موجود نہیں ہے،

اس لئے صحیح تعداد تو نہیں بتائی جاسکتی، لیکن اُن کے مکتوبات اور حالات کے ضمن میں جن لوگوں کے

نام مل گئے ہیں، وہ درج ذیل ہیں،

(۱) شاہ ولی اللہ، (۲) شاہ اہل اللہ شاہ صاحب کے چھوٹے صاحبزادے جنہوں نے اُن کے

مکتوبات کو انفاسِ رحیمہ کے نام سے جمع کیا ہے،

(۳) شیخ محمد (۴) شیخ منظم، (۵) ولد ارببگ، (۶) شیخ زین العابدین، (۷) شیخ عبداللہ جیو

شیخ ابوالقاسم کے صاحبزادے (۸) شیخ عبدالوہاب (۹) خواجہ احمد (۱۰) شیخ عبید اللہ، (۱۱) حبیب الدین

(۱۲) فیض اللہ، (۱۳) حسام الحق یا حسام الدین پارسا، انفاسِ رحیمہ سے لئے گئے ہیں (۱۴) مولوی نذر محمد

امبالہ، (۱۵) شاہ گل، یہ نام شاہ عبدالغفر صاحب کے ملفوظات

لئے گئے ہیں (۱۶) شیخ محمد فاضل، (۱۷) شیخ عبداللہ علی، مترجم فتاویٰ عالمگیری (۱۸) مرزا علی خوانی

لے ان کے نام کئی خطوط ہیں لے اُن کے نام بھی متعدد خطوط ہیں لے شاہ صاحب نے کا بڑا شہر منا تھا

ایک دن اُن سے ملے گئے، مگر مل کر کچھ خوش نہیں ہوئے، ایک روز کسی مجلس میں شاہ صاحب نے اُن سے پھر

حالات جوگئی، عبداللہ چپے نے کوئی دھاپڑھی اور اعاب بن کچھ غلطی کی، شاہ صاحب نے انہیں ٹوکا اس طرح

مولفین فتاویٰ عالمگیری

(۱۹) شیخ محمد غوث پہلوی، یہ نام انفاسِ العارفین سے لئے گئے ہیں، اُن کے علاوہ آپ کے توسلین میں

خاتون کا نام بھی ملتا ہے، (۲۰) ام عبید اللہ انفاسِ رحیمہ میں اُن کے نام ایک خط موجود ہے (۲۱)

بی بی شریفہ قائم شیخ عبدالغفر نے اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ از مستفیضانِ جد شریعت بود صاحب

توبہ و کشف، (ص ۱۱۹)

طبابت اور ذریعہ معاش | شاہ صاحب کے خاندان میں امراضِ روحانی کے علاج کے ساتھ ساتھ جہاں

امراض کے معالج کا بھی سلسلہ قدیم سے چلا آ رہا تھا، خود شاہ صاحب نے اس کی تکمیل کی تھی، اور اس میں

ہمارت ہم پہنچی تھی، اُن کی ہمارت فن کے بہت سے واقعات مشہور ہیں،

ایک مرتبہ بارہمہ کے کسی دیہات میں گئے ہوئے تھے، وہاں اُن کے سامنے کسی مریض کا قارورہ

لایا گیا، انہوں نے دیکھ کر نسخہ تجویز کر دیا، اس وقت ایک ہندو طبیب موجود تھا، اُس نے کہا کہ آپ نے

مرض کی تشخیص اچھی طرح کر لی ہے یا نہیں؟ شاہ صاحب مسکرائے، اور فرمایا یہ عورت کا قارورہ ہے

اسے فلان فلان بیماری ہے، اور اس کے یہ اسباب ہیں، اس طبیب نے پھر آپ سے پوچھا کہ یہ کس

کتاب میں ہے؟ شاہ صاحب نے فرمایا کہ

”این طب نیست فراست صادق محمدیان است (انفاس ص ۵۹)

اُن کی ہمارت فن کے تعلق شاہ ولی اللہ صاحب کہتے ہیں،

”در طلبِ حدس ایشان بنایت رسا و سلیم بود (انفاس ص ۸۶)

شاہ صاحب کے بعد بھی یہ فن اُن کے خاندان میں علمی حیثیت سے باقی رہا، مگر علمی حیثیت سے شاہ

ولی اللہ صاحب نے اس سلسلہ کو دیا شاہ عبدالغفر صاحب کے ملفوظات میں ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۱) سے دونوں میں کچھ مناظرانہ شکل پیدا ہو گئی، لیکن آخرین عبداللہ چپے نے اپنی غلطی

کا اعتراف کیا اور شاہ صاحب سے بیعت ہو گئے (انفاس العارفین ص ۵۲)

تھکت ہم درخاندان مامعول بود، چنانچہ جد بزرگوار و عم فقیر (غالباً شاہ اہل اللہ صاحب)

دوائی کر دیا، والد ماجد بندہ موقوف ساختہ (ص ۶۲)

لیکن یہ تصریح بنین مل کی کہ شاہ عبد الرحیم صاحب یا اُن کے اجداد نے طبابت کا پیشہ ذریعہ معاش کے لئے اختیار کیا تھا، یا صرف خدمتِ خلق کے لئے یا دونوں شکلیں تھیں، دوائی کر دیا اور موقوف ساختہ وغیرہ الفاظ سے دونوں صورتیں نکل سکتی ہیں، مگر قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اس پیشہ کو شاہ صاحب یا اُن کے اجداد نے ذریعہ معاش بنایا تھا،

وفات | فرخ سیر کے عہد میں بروز چار شنبہ ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ، برس کی عمر میں وفات پائی، اور مقام ہند یون جہان اس خانوادہ کے دوسرے گوہر شب چراغ پوشیدہ ہیں، آپ بھی مدفون ہوئے، (باقی)۔
اس کے اجداد میں مفتی شمس الدین قاضی محمود تک غالباً عہدہ قضا ہی ذریعہ معاش رہا، اس کے بعد فوجی ملازمت شروع ہوئی، اور غالباً عہدہ قضا کی جگہ اس نے لے لی، شاہ صاحب کے دادا شیخ معظلم شاہی ملازمت کے ساتھ ساتھ ایک بڑی جائداد کے بھی مالک تھے، شیخ وجیہ الدین یعنی شاہ صاحب کے والد بھی عالمگیری کی فوج میں ملازم تھے، اس نے ان میں کسی کو طبابت کو ذریعہ معاش بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئی، شاہ عبد الرحیم صاحب نے البتہ کوئی ملازمت کی، اور نہ شاہی دربار اور امرا سے کوئی مدد لی، اس لئے وہ طبابت کو ذریعہ معاش بنا سکتے تھے، مگر اُن کے حالات کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ صلحا کے طریقے کے مطابق انھوں نے بھی قناعت و توکل ہی کی زندگی بسر کی، اور مستقل طور سے کوئی ذریعہ معاش اختیار نہیں کیا، لیکن مرشد کی دعا کے مطابق انھیں جمعیت ظاہر کی دولت ہمیشہ نصیب رہی،

شاہ صاحب کے محلہ میں ایک بزرگ خواجہ ہاشم رہتے تھے، انھوں نے ایک دن شاہ صاحب بظہر امتحان

کے لئے ایک ورد دیا، جہاں آپ کے پڑھنے سے آدمی متول ہو جاتا ہے آپ نے ان کے جواب میں فرمایا،

”خدا سے تعالیٰ مراد واسطہ والدہ من قدر ضروری فی رسالہ، دیگر احتیاج ندارم (انفاس ص ۴۴)

جابر بن حیان

(دنیا سے اسلام کا نامور کیمیادان)

از

از مولوی سید وحید احمد صاحب ندوی رفیق دارالافتاء

مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں دوسرے علوم کی طرح کیمیا (کیمسٹری) کی طرف بھی توجہ کی، اُن سے پہلے اس کی حیثیت شعبہ بازی سے زیادہ نہ تھی، انھوں نے اس کو ایک حقیقی اور کارآمد فن بنا دیا، اور اس میں قابلِ قدر تحقیقات و اکتشافات کئے، اور بہت سی قیمتی یا گنج جہاں ابوبکر محمد بن زکریا رازی، ذوالنون مصری، ابن دمشقی، خالد بن یزید اور جابر بن حیان وغیرہ بہت سے علمائے کیمیا کی طرف توجہ کی، ان میں جابر بن حیان زیادہ ممتاز ہیں، انھوں نے اس فن میں بہت سے اکتشافات کئے، اور کتابیں لکھیں، اور ان کی تصانیف کے مختلف زبانوں میں تراجم ہوئے، جن کے ذریعہ یورپ میں اس فن کی اشاعت ہوئی،

جابر کو کیمیا میں وہی مرتبہ حاصل ہے، جو منطق میں ارسطو کو، جابر وہ پہلا شخص ہے، جس نے علم کیمیا کے قواعد و قانون مرتب کئے، اس سے پہلے بھی بعض مسلمانوں مثلاً خالد بن یزید، اور امام

سلا خالد بن یزید بن معاویہ بن ابوسفیان، بڑا فصیح و بلیغ مقرر، بلند پایہ شاعر اور ادیب تھا، سب سے ادل اسی نے طب نے اور نجوم وغیرہ کی کتابوں کو دوسری زبانوں سے عربی میں

جعفر صادق وغیرہ کو اس علم سے شغف تھا، انھوں نے اس علم کی خدمت کی، مگر جابر کے کارناموں نے اس کو اس علم کا صدر نشین بنا دیا، جابر بن حیان سے پہلے یہ علم نامکمل اور غیر مرتب تھا، جابر پہلا شخص ہے جس نے اس علم کو مرتب شکل میں پیش کیا، لیکن جابر کو سب سے پرانا اور سب سے مشہور کیمیائی سمجھا جاتا ہے۔

فرانس کا مشہور مستشرق پروفیسر برٹیلوڈ (Prof. M. Barthelot) جس نے جابر کی بہت سی کتابوں کو ڈکٹ کر کے شائع کیا ہے، اپنی کتاب تاریخ الکیمیاء فی القرون الاوسطی میں لکھتا ہے:-

جابر بن حیان کو کیمیاء میں وہی مرتبہ حاصل ہے، جو ارسطو کو منطق میں۔

اس طرح ایک دوسرے مستشرق جرجین (Doyes Bacon) جابر کو فن کیمیاء میں استاد الاساتذہ گردانتے ہیں۔

حاجی خلیفہ چلی کشف الظنون میں لکھتے ہیں:-

اَدَّلَ مِنْ اَشْتَهَرَ هَذَا الْعِلْمِ اس علم کیمیاء میں جابر بن حیان صوفی
عَدَلَ جَابِرُ بْنُ حَيَّانَ الصُّوفِي خالہ کا شاگرد سب سے پہلا شخص ہے جس نے

بقیہ حاشیہ (۱) ترجمہ کیا تھا، ابن ندیم نے اس کی بہت سی کتابوں کا نام گنا یا ہے (۱) ابن ندیم ص ۴۹، ۵۰ امام جعفر صادق بن محمد الباقر بن علی زین العابدین بن الحسین بن علی ابن ابی طالب، یہ جابر بن حیان کے استاد تھے، اور ان کو کیمیاء سے بڑا لگاؤ تھا، (ابن ندیم ص ۴۹۹) ۵۰ تمدن عرب ص ۴۳۶ (مترجمہ سید علی بلگرامی) طبع اول دور طبع مفید عام اگر مشاہیر
۵۰ شرح حال و مقام ذکر یاقوتی رازی ص ۵۵

مِنْ تِلْكَ صَدَقَ خَالِدٌ شہرت حاصل کی۔

ابن خلدون جابر کو امام المذہبین مانتے ہیں، جیسا کہ ان کا قول ہے،

وَأَمَّا الْمَذْهَبُ الَّذِي فِيهَا جَابِرُ یعنی اس علم کو مرتب کرنے میں جابر کو

حِیَانٌ حَتَّى رَأَيْنَاهُ مُخْتَصِرًا جابہ امام کا درجہ حاصل ہے، یہاں تک کہ

فیسوہوہا علم جابر لوگ علم کیمیاء کو علم جابر کے نام سے پکارتے ہیں

(بقیہ ابن خلدون ص ۴۴۵)

یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ چلی اور بعض دوسرے تذکرہ نویسوں نے جابر کو خالہ کا شاگرد بتایا ہے، جو تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہے، صاحب کشف الظنون نے خود ایک دیگر جگہ جابر کا سند وفات منسلق بتایا جو تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں لیکن اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے، تو بھی خالہ اور جابر سے کوئی تعلق نہیں پیدا کیا جاسکتا، کیونکہ خالہ نے ۵۰ھ میں انتقال کیا، جو بقول صاحب کشف الظنون جابر کی پیدائش کا سال ہے، یا جابر اس وقت مشکل سے پانچ برس کا رہا ہوگا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس عمر میں کیمیاء جیسے علم کو حاصل کیا جاسکے، اس لئے خالہ سے جابر کے تذکرہ کی روایت صحیح نہیں ہے، درحقیقت جابر حضرت امام جعفر صادق کا شاگرد تھا، جیسا کہ دوسرے تمام تذکرہ نویسوں ابن ندیم اور ابن خلکان وغیرہ نے تذکرہ کیا ہے، جابر بن حیان کی شخصیت کی قیمن | جابر کی شخصیت نہایت معروف ہو اور یورپ کے اہل علم نے اس کی بہت سی کتابیں ایڈٹ کر کے شائع کی ہیں، اور ان کے ترجمے کئے ہیں، لیکن اس کے باوجود جابر کے بارہ بن اُن سے نہایت فاش غلطیاں ہو گئی ہیں، مثلاً جابر کے متعلق ان میں سے بعض کا

۵۰ کشف الظنون، جلد دوم ص ۴۴۲ (مطبوعہ درمطبع سوادت ترکی ۱۳۱۵ھ) ۵۰ ابن ندیم ص ۴۹۹

۵۰ ابن خلکان ص ۸۵ جلد اول،

خیال ہے کہ وہ اشہر احرار العرب و فلاسفہٗ مدینہ یعنی عرب کا مشہور و معروف امیر الامراء اور فلسفی تھا۔

بعض اس کو اندلس کے شہر اشبیلیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں ایک دوسرے انگریز مشہور

اس کو خالص عربی النسل بتایا ہے، اس کا خیال ہے کہ جابر بن حیان خالص عربی خون تھا، عجیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک صاحب ایک قدم اور آگے بڑھ کر جابر کو عرب کا بادشاہ بنا دیتے ہیں، اور اس کو "ملک العرب" کا خطاب عنایت فرماتے ہیں، بعضوں نے اس کو عجم اور بعضوں نے ہندوستان کی بادشاہی بخشی ہے۔

لاطینی زبان کے علماء جابر بن حیان کو (Jaber) کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں چنانچہ لاطینی زبان کی ایک کتاب جو جابر یا جبر (Jaber) کی طرف منسوب ہے، لاطینی زبان کے علماء اور فضلا میں بڑی عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، اس کتاب کا نام (Summa perfection) ہے مشہور محقق اور ناقد پروفیسر ہولیارڈ (Holmyard) کے خیال میں مذکور بالا کتاب یعنی (Summa perfection)

سے ملاحظہ ہو رسل (Russell) کا انگریزی مضمون یہ سلسلہ تالیفات جابر بن حیان کی اصل انگریزی عبارت ہے "The most famous Arabian prince and philosopher"

اس غلطی کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ اشبیلیہ کے مشہور فلکی جابر بن افلح (پانچویں صدی ہجری) اور جابر بن حیان میں فرق نہیں کر سکے اور ان کو دونوں میں تشابہ ہو گیا ہے ملاحظہ ہو تالیفات جابر مطبوعہ نورم برگ (Normberg) ۱۵۵۲ء

۱۵۵۲ء ملاحظہ ہو تصنیفات جابر مطبوعہ ڈینزنگ (Danzig) ۱۵۵۲ء رسالہ المقتطف

۶۸ نمبر مئی ۱۹۲۲ء مطابق شوال ۱۳۴۱ھ

جابر بن حیان کی مشہور کتاب الخالص کا ترجمہ ہے، یا اس سے ماخوذ ہے، پروفیسر ہولیارڈ کا یہ بھی کہنا ہے کہ "Summa perfection" کے علاوہ اور بھی بہت سی کیمیائی کتابیں جو لاطینی زبان میں شائع ہوئی ہیں جابر بن حیان کی تصانیف ہیں،

(Summa perfection) لاطینی زبان کے جاننے والوں کے نزدیک بہت محبوب اور مقبول ہے۔

جابر (Jabir) اور جبر (Jaber) کے معمولی فرق کی وجہ سے بعض متاخرین کو یہ اشتباہ ہو گیا ہے کہ جابر اور جبر دو الگ الگ شخصیتیں ہیں، حالانکہ دونوں ایک ہی شخص کے دو نام ہیں،

پروفیسر ہولیارڈ نے سائنس کے ایک مشہور سالہ سائنس پروگریس (Science progress) کے جنوری ۱۹۲۵ء کے شمارہ میں جابر بن حیان کے حالات اور اس کے کاموں پر ایک مفصل اور پرمغز مضمون لکھا تھا جس میں انھوں نے اس غلط خیال کی پوری تردید کی ہے انھوں نے بے دلائل ثابت کیا ہے کہ جابر بن حیان وہی شخص ہے جسے لاطینی زبان کے علماء جبر (Jaber) کے نام سے پکارتے ہیں، ادھرتی بھی کتابیں جبر کی طرف منسوب ہیں، وہ سب کی سب ترجمے اور اقتباسات ہیں اس نامور قابل فخر، بیکانہ روز گافارسی الاصل اور عربی النسل مصنف کی کتابوں کے جسے دنیا جابر بن حیان کے نام سے جانتی ہے۔

جسے پیدائش اور وطن | جابر کی جائے پیدائش اور وطن میں بھی تذکرہ نویسوں کا بڑا اختلاف ہے

۱۵۵۲ء رسالہ سائنس پروگریس (Science progress) جنوری ۱۹۲۵ء ملاحظہ ہو

پروفیسر ہولیارڈ (Holmyard) کا مضمون مندرجہ رسالہ سائنس پروگریس

(Science progress) شمارہ جنوری ۱۹۲۵ء

کوئی اسے کوثر کا بتاتا ہے، کوئی طوس، کوئی خراسان کا کوئی حران کا، ذیل میں بعض تذکرہ نویسوں کے بیانات لکھے جاتے ہیں،

ابن ندیم کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں،

تھو ابو عبد اللہ جابر بن حیان ابو عبد اللہ جابر بن حیان

بن عبد اللہ الکوفی، دکان ابن عبد اللہ کوئی کوثر کا رہنے

میں اہل کوثر، والا تھا

حاجی خلیفہ علی کشف الظنون میں رقمطراز ہیں،

تھو الشیخ ابو موسیٰ جابر بن حیان الشیخ ابو موسیٰ جابر بن حیان الشیخ ابو موسیٰ جابر بن حیان

الطوسی المتوفی سنہ ۲۰۰ طوس کا رہنے والا ہے

وزیر جمال الدین قفطی تاریخ الکلماء میں اس کو کوثر کا رہنے والا بتاتے ہیں،

ڈاکٹر محمد نجم آبادی اپنی کتاب "شرح حال و مقام ذکر یا ذی رازی" میں کہتے ہیں کہ

"مردے ایرانی الاصل می باشد مولدش در حران میں النہر در این شہر تحصیلات ابتدائی انجام دادہ و بعد از تکمیل معلومات خود برداختہ"

اسی طرح سے اور بعض دوسرے مصنفین خیر الدین زکلی اور یوسف الیاس سرکیس وغیرہ

بھی کوثر ہی کی طرف منسوب کرتے ہیں،

الفہرست ابن ندیم ص ۴۹۸ کشف الظنون ص ۲۹۵ ج دوم طبع اول در مطبع سعادت ترکی

تاریخ الکلماء ص ۱۱۱ شرح حال و مقام ذکر یا ذی رازی

از ڈاکٹر محمد نجم آبادی مطبوعہ ایران ص ۵۵۵ و ۵۵۶ الامام (قاموس التراجم) ص ۴۱، مجمع المطبوعات

العربیہ والوہ مؤلفہ یوسف الیان سرکیس مطبوعہ مصر جلد اول،

تذکرہ بالابیانات میں یہ ظاہر بڑا تضاد ہے لیکن اگر ذرا سا بھی غور کر لیا جائے، تو یہ تضاد رفع ہو جاتا ہے، اس کی جانب یا قوت حموی کی ایک عبارت سے رہنمائی ہوتی ہے جس سے سارا تضاد دور ہو جاتا ہے، اکثر مصنفین نے جابر کو عراق کے مشہور شہر کوثر کی طرف منسوب کیا ہے جو صحیح نہیں ہے، وہ اس کوثر کا نہیں بلکہ دراصل طوس کے ایک گاؤں کو ثیا، کم رہنے والا تھا، اور اس کی نسبت سے لوگوں نے اس کو کوئی لکھا شروع کیا، بعد میں آنے والی نسلوں نے غلطی سے اس کو مشہور و معروف شہر کوثر کا رہنے والا سمجھ لیا، یا قوت حموی کی اصل عبارت یہ ہے:-

تھو ثیا باذقان میں قری

طوس، گاؤں کا نام ہے

اس سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ جابر بن حیان شہر کوثر کا نہیں بلکہ طوس کے ایک گاؤں کو ثیا کا رہنے والا تھا، اس لئے جو لوگ اسے کوئی لکھتے ہیں، یا طوسی کہتے ہیں دونوں کا بیان صحیح ہے، رہا حران اور نہرین کا سوال تو یہ طوس سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے متاخرین میں اکثر نے اس کا اصل وطن طوس ہی کو قرار دیا ہے، اور یہی صحیح ہے،

طوس بڑا مردم خیز خطہ ہے، اس کی خاک سے بڑے بڑے علماء اور فضلا پیدا ہوئے، مثلاً کامصنف فردوسی اس کا فرزند تھا،

پرو فیئر ہولیار نے خاص طور سے اس کے وطن کی تحقیق کی ہے، اور اسے طوس کا رہنے والا ثابت کیا ہے،

تھو شہاب الدین ابو عبد اللہ المعروف یا قوت حموی مصنف مجمع البلدان و مجمع الدواب (سنہ ۱۰۲۶ھ)

مجمع البلدان یا قوت حموی مطبوعہ مطبعہ السعادیہ مصر، ص ۳۰۰ رسالہ سائنس پرگرس (Science Magazine) - جنوری ۱۹۲۵ء

چونکہ شہر کوفہ میں اس نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ گزارا تھا، اس لئے بعض لوگوں نے اس کو

کوئی لکھا۔

ابھی حال میں جبکہ کوفہ کے کھنڈرات کی کھدائی ہوئی تھی تو جابر بن حیان کے محل Laboratory کی بہت سی یادگارین ملین جن سے جابر کے کوفہ میں طویل قیام پر روشنی پڑتی ہے۔ ابن ندیم نے بھی لکھا ہے کہ جابر کوفہ کی عمدہ آب ہوا کی وجہ سے بین کیمیاوی عملیات اور تجربا کیا کرتا تھا، چنانچہ براہمہ کی تباہی کے بعد ہارون الرشید کو جابر بن حیان کے محل میں تقریباً دو رطل سونا ملا تھا۔

نام و نسب | جابر نام ابو عبد اللہ کنیت باپ کا نام حیان اور دادا کا عبد اللہ تھا، حاجی خلیفہ حلبی نے اس کی کنیت ابو عبد اللہ کے بجائے ابو موسیٰ لکھی ہے، ابن ندیم نے بھی ایک جگہ ابو موسیٰ کنیت بتائی ہے۔ گویا کہ جابر کے دو لڑکے تھے، عبد اللہ اور موسیٰ۔

ابتدائی حالات | زندگی کے ابتدائی حالات پر وہ خفا میں ہیں، باوجود تلاش و تحقیق اس کے متعلق کچھ نہ معلوم ہو سکا، صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تعلیم وطن ہی میں حاصل کی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ اس کے بچپن کا زمانہ بھی وطن ہی میں گذرا ہوگا، اس کے بعد بغداد گیا۔

جابر کا سا تذکرہ | تاریخ اور تذکرہ کی کتابوں میں جابر کے صرف دو استادوں کے نام ملتے ہیں (۱) امام جعفر صادق (۲) خالد بن یزید بن معاویہ، مگر الذکر کے متعلق ہم ادھر بیان کرتے ہیں کہ جابر بن کی وفات کے وقت پیدا ہی نہیں ہوا تھا، اس لئے اس سے تلمذ کی روایت صحیح نہیں۔

۱۔ ابن ندیم ص ۲۹۹، Science progress، جنوری ۱۹۲۵ء، ص ۵۲ فرست ابن ندیم ص ۲۹۹، کشف الظنون ص ۲۹۵، ابن ندیم ص ۵۰۰، شرح حال و مقام زکریا بن زکریا ص ۱۵۵

جابر کیمیا کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی دست گماہ رکھتا تھا، جس پر اس کی تصانیف شاہد ہیں ان علوم میں بھی اس کے اساتذہ کی تعیین نہیں کی جاسکتی،

جابر اور براہمہ | دوسری صدی ہجری میں جابر ہارون الرشید کے پایہ تخت بغداد میں قیام پذیر تھا، جہاں اس کے تعلقات برکی خاندان سے بہت گہرے تھے، خلیفہ سے بھی اس کے تعلقات خوشگوار تھے، لیکن براہمہ سے اس کو خاص لگاؤ تھا، جس کا ثبوت ان کتابوں سے ملتا ہے جو اس نے اُن کی (براہمہ) فرمائش پر لکھیں، یا خود بطور ہدیہ پیش کیں، یا اُن کی طرف منسوب کیں۔ دوسرے علوم کی طرح براہمہ کو علم کیمیا سے بھی دل چسپی تھی، اس لئے انھوں نے اس علم کی بھی پوری سرپرستی کی، جابر نے اپنی کتاب انخواص میں بہت سے ان اخلاعات کا ذکر کیا ہے جو اس سے اور براہمہ سے اس علم کے بارے میں ہوئے۔

جابر بن حیان کی کتاب نہایتہ الطلب کے شارح جلاتی نے لکھا ہے کہ اُس نے کیمیا کے بہت سے راز کیمیائی برکی اور اس کے دونوں لڑکے فضل و جعفر کو بتا دیئے تھے۔ ابن ندیم کے بیان کے مطابق یہ خود بھی آل برہک کا ایک فرد تھا، اور اس سے اور جعفر بن یحییٰ سے بڑے گہرے تعلقات تھے۔

جب آل برہک پر خلیفہ ہارون الرشید کا عتاب نازل ہوا، اور اُن کے ساتھ اُن کے منوسلین

۱۔ روالا المقطف ص ۲۶، یہ کتاب باقی کے فارسی شرح کے ساتھ ۱۳۳۵ء میں آقا محمد شیرازی نے بمبئی سے چتر پریچا پریس میں چھپوا کر شائع کی ہے ۲۔ عرب کیمیا دانوں کے متعلق اس کی معلومات کا دائرہ بڑا وسیع تھا، یہ خود بھی کیمیا دان تھا، ۳۔ ابن ندیم ص ۲۹۹، شرح حال و مقام زکریا بن زکریا ص ۱۵۵

۴۔ شرح نہایتہ الطلب (فارسی) مطبوعہ بمبئی ۱۳۳۵ء

۵۔ ابن ندیم ص ۲۹۹، ابن ندیم ص ۲۹۹

قتل کئے جانے لگے تو جابر نے بغداد سے راہ فرار اختیار کی، اس کے بعد جابر کو کین جم کر ملجینا نصیب نہیں ہوا، کیونکہ خلیفہ وقت ہارون الرشید کا ڈراس کے دل پر کچھ ایسا طاری تھا کہ اس کو کسی ایک مقام پر پھرنے نہیں دیتا تھا،

ابن ندیم کہتے ہیں، کَانَ يَنْتَقِلُ فِي الْبُلْدَانِ لَا يَسْتَقَرُّ بِدَلٍّ سِوَا مِنْ السُّلْطَانِ

علیٰ نقضہ

یعنی یہ ایک جگہ جم کر نہیں رہتا تھا، بلکہ سلطان کے ڈر سے ادھر ادھر اپنی جان لئے پھرتا تھا

جابر کے دو بھائی شیون کا خیال ہے کہ جابر شیعہ تھا، دلیل یہ ہے کہ وہ چھٹے امام حضرت جعفر صادق کا شاگرد اور ترتیب یافتہ تھا،

فلسفوں کا کہنا ہے کہ جابر ان میں سے ایک تھا جس کا ثبوت اس کی منطق اور فلسفہ کی تصانیف میں ہے۔

صوفیوں کا خیال ہے کہ وہ ایک بڑا صوفی اور راہ سلوک کا عارف تھا، چنانچہ اکثر تذکرہ نویسوں نے اس کو صوفی کے لقب سے یاد کیا ہے

بہر حال اس کی تصانیف کو دیکھنے سے کوئی شخص اس کا صحیح مسلک متعین نہیں کر سکتا،

آخر عمر میں غالباً تقوف سے زیادہ لگاؤ پیدا ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے صوفی کے نام سے مشہور ہوا ہے

وفات کشف الطغون کے مصنف حاجی خلیفہ چلبی نے سنہ وفات ۳۱۵ھ قرار دیا ہے جو تاریخی

۱۸۵ھ ابن ندیم ص ۵۵۵، ایضاً ص ۵۵۵، ایضاً ص ۵۵۵، ابن خلکان ج ۱ ص ۱۸۵

و اخبار الکمل ص ۱۱۱ ابن ندیم وغیرہ وغیرہ،

۵۵۵ اخبار الکمل، ابن ندیم شذرات الذہب وغیرہ،

اعتبار سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ جابر اور ہر ایک کے تعلقات مستند تاریخوں سے ثابت ہیں، بقول ابو الفدا ابن اثیر اور طبری وغیرہ ہر ایک کا قتل عام ہارون الرشید کے ہاتھوں مشرق وسطیٰ میں ہوا ہے، اس لئے جابر یقیناً مشرق کے بعد بھی زندہ رہا، ورنہ ابن ندیم کے بیان کے مطابق اس کو خلیفہ وقت کے ڈر سے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی؟

نہایت الغلب کے شارح جلالی نے لکھا ہے کہ جابر بن حیان ہارون الرشید کے انتقال تک چھپا رہا، اور خلیفہ امویں کی تخت نشینی کے بعد دوبارہ ظاہر ہوا،

اس روایت کو صحیح تسلیم کرنے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی،

تلاذہ مشہور ملائکہ میں خرقی ابن عیاض مصری اور انجلی ہیں،

خرقی | مدینہ منورہ کا رہنے والا تھا، مدینہ منورہ میں ابن ندیم کے زمانہ تک ایک گلی سکتی تھی جہاں ان کے نام سے منسوب تھی،

ابن عیاض مصری | یہ مہر کار بنے والا تھا، اس نے بھی جابر بن حیان سے بہت فیض اٹھایا،

انجلی | اس کا پورا نام عثمان بن سوید ابو حری الانجلی ہے، مہر کے ایک گناؤں اجم کار بنے والا تھا،

فن کیمیا کا بڑا امام سمجھا جاتا تھا اس سے اور ابن وحیہ سے بڑے مہر کے مناظرے ہوتے تھے، اس

کی مشہور کتابیں کتاب الکبریت الاحمر، کتاب الابانہ اور کتاب اکل والختہ وغیرہ ہیں،

اولاد | صرف دو بیٹوں کا پتہ چلتا ہے جن کے نام عبد اللہ اور موسیٰ ہیں، خاندانی حالات نامعلوم

اوپر ابن ندیم کی روایت گزر چکی کہ یہ خاندان ہر ایک سے تعلق رکھتا تھا،

تصانیف | تصانیف کے اعتبار سے جابر ان چند علما میں سے ہے جس کی تصنیفیں بے شمار ہیں ابن ندیم

۵۵۵ رسالہ القطف بابت ص ۵۵۵، ابن ندیم ص ۵۵۵، ابن ندیم ص ۵۵۵، ابن ندیم ص ۵۵۵، ایضاً

۵۵۵ ابن ندیم ص ۵۵۵،

نے اُن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ لکھی ہے، کتابوں کی یہ تعداد بظاہر مبالغہ آمیز معلوم ہوتی ہے جس کا یہ یقین
مشکل سے آتا ہے لیکن اُس کی حقیقت یہ ہو کہ اُن چار ہزار کتابوں میں اکثر و بیشتر صرف مختصر مضمون کی
حیثیت رکھتے تھے، ان مضامین اور چھوٹے چھوٹے رسالوں کو کتاب کے نام سے تعبیر کر دیا گیا ہے جس
تعداد زیادہ ہو گئی ہے، ابن ندیم نے جن کتابوں 'رسالوں اور مضامین کا ذکر کیا ہے، اُن میں سے اکثر
حوادث زمانہ کی نذر ہو گئی ہیں تاہم بہت سی کتابیں اب بھی مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں
جن سے اکثر اشخاص ابھی تک ناواقف تھے لیکن تحقیق و تفتیش کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور رفتہ
رفتہ اُن کا پتہ چلتا جا رہا ہے، اور وہ منظر عام پر آتی جا رہی ہیں،

ابن ندیم نے اس کی پوری کوشش کی ہے کہ جابر بن حیان کی اہم تصانیف کے نام گنا دے
جائیں، مگر ان کی صحت کا زیادہ خیال نہیں کیا ہے جس سے بہت سے لوگ غلط فہم ہوں ہیں مثلاً جو کہنے والے ہیں
جرمنی کے مشہور مستشرق فلوجل (Fleugel) نے ابن ندیم کی کتاب 'الفہرست' کو بنیاداً
اساس قرار دے کر جاہل کے حالات لکھے ہیں اور اُن کی تصانیف پر یو یو کیا ہے لیکن اُن سے اور
اُن کے متبعین سے بھی بڑی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔

اس طرح سے پروفیسر برٹلیو نے فہرست ابن ندیم سے جابر بن حیان کی بہت سی کتابوں کے نام
جون کے تون بغیر حیان بن کے نقل کر دیے ہیں، (باقی)

۱۵ سالہ المقتطف باب ثانی ص ۵۸۸ ملاحظہ ہو پروفیسر ہولمیا، ڈی، صدر مجتہدہ ملکیت انگلستان
۱۵ ملاحظہ ہو پروفیسر ہولمیا، ڈی، صدر مجتہدہ ملکیت انگلستان کا مقالہ مندرجہ سائنس پر و گرس با بیت
جنوری ۱۹۲۵ء

۱۵ سالہ سائنس پر و گرس جنوری ۱۹۲۵ء

ہندوستان میں علم حدیث

بطریق تالیف علوم حدیث

از

مولوی ابوبکری امام خان صاحب نوشہروی

معارف نے عرفانِ علوم کے جو خطوط تیار کئے، ان جملہ اُن کے ہندوستان میں علم حدیث
بھی ہے جس پر اب تک جو کچھ لکھا گیا، بطریق تدریس و تحدیث لکھا گیا، اور وہ بھی اس سے بھی بہت کم
جتنا کہ لکھا جاسکتا تھا، مگر دوسرا رخ بصورتِ تالیف علوم حدیث ابھی تک حجابات میں ہوا
مضمون ہذا مشارق الانوار النبویہ (امام حسن صفحانی ۱۱۲۵ھ) کی نورانی شاعری
کی قدر سے نورپاشی ہے، جسے راقم الحروف نے اپنی زیرِ تالیف (ہندوستان میں علوم حدیث کی تالیفات)
میں مبیض کیا ہے، اور معارف میں برہنہ اظہارِ تشکر (قبل از اشاعت) پیش ہے کہ یہ عنوان اسکی
کے صدقے سے ملا۔

شرابِ نوش کن و جام از بصوفی رہ!

کہ بادشاہ زکرم جرم صوفیان بخشد!

امام حسن صفحانی (۱۱۲۵ھ) کا ظہور و لاوت ۱۱۲۵ھ (۱۵ مارچ صفر) میں عروس البلاد

۱۵ بصورت مضمون جناب ڈاکٹر زبید احمد صاحب (پی ایچ ڈی)، الدہ آباد یونیورسٹی شائع شدہ معارف، دسمبر ۱۹۲۲ء

پنجاب لاہور میں ہوا، مکمل علوم کی پوری داستان کیمین منہبطہ نہیں، مگر یہ ذکر حسن ممدوح کے سر ایک
سراپا بن مرقوم ہے، کہ وہ صرف حدیث ہی میں بان نظر نہ تھے، بلکہ عالم اسلام میں انکی روشناسی امام
سے بھی جوتی ہو

دیکھنیوں کی جان ہے وہ پاسے نازیں
میری نگاہ شوق جہاں سر کے بل گئی

اس فن میں امام (حسن) کی متعدد مایفات بھی ہیں، کہ جن جملہ ان کے التکملہ (شاید)
فن لغت میں حد تک ہو جو دس بارہ سال ہوئے علی گڑھ آتے آتے مراکش پہنچ گئی،
مرثیہ حَلَّتْ بِقَدِ دِجَارِ زَوْتِ
أَهْلَ الْحِجَازِ فَإِنَّ مَرَاثِمَا

والسحاب فی وفیات الصحابہ | سیر و رجال کی وفیات پر تھے، اور وہ بھی منظومین (آیہ پاک) :- وَالسَّابِقُونَ
أَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ ابْتَغَوْهُمْ بِأَحْسَنَ دُخَانٍ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا
عَنْهُمْ وَاعْتَدَ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أُولَئِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ
(توبہ) ۱۔ مگر اب جس کا صرف نشان منزل تذکرۃ النوادر طبع دکن میں رو گیا ہے،

وفیات کا باب کس قدر ضروری اور کتنا دلچسپ ہے کہ ہر اردو ادیب ہی تعین وفات راوی پر
حتیٰ کہ اگر روایت حدیث میں سے کسی راوی کے سنہ وفات کی اطلاع نہ ہو سکی، تو اس کا تذکرہ درخورد

لے: اس زمانہ کا جابجاء ہے جب مولانا امین عبدالغفر صاحب راجکوٹی پروفیسر مسلم یونیورسٹی اپنی مشہور
کتاب طبع کرانے کے لئے خود مصر تشریف لے گئے، شاید ممدوح ہی کبھی یہ واقعہ ضبط فرمائیں، کہ اس
طرح ان کو الکلمہ کی اطلاع ملی، مگر جب خریدنے کے لئے گئے تو ذرا ہی پہلے مراکش کے ایک اور
جوہری اسے حاصل کر چکے تھے،

ذرا اور روایات میں تو ایسے راوی سے حدیث بیان کرنا ہی زیر بحث نہ آسکا یہ ہیں فن حدیث کی لطافتیں
جن سے خالی الذہن جہا بزدہ ہند نے نفس حدیث ہی کی دینی حیثیت سے انکار کر دیا،

پیدا ہوئے ہیں جان کے خواہاں ہوئے

صاحب مقدر تحفۃ الاوزی نے صحابہ کرام کے تذکرہ میں جن حضرات نے کتابیں لکھی ہیں انکے
اسمائے گرامی کا یہ ذکر فرمایا ہے،

۱۔ امام بخاری (صاحب جامع الصحیح) م ۲۵۶ھ

۲۔ ابن النجاشی، اخیض بن خیاط الحافظ الامام ابو عمرو محدث مناسب اخبار عظام صنف التاریخ
(تذکرہ ج ۲ ص ۲۱) م ۲۳۴ھ

۳۔ ابن سعد محمد بن سعد صاحب طبقات ابن سعد م ۲۴۰ھ

۴۔ ابو یوسف یعقوب بن سفیان الفارسی القسوی م ۲۴۰ھ

۵۔ ابو بکر احمد بن ابی حنیفہ زہیر بن حرب م ۲۴۰ھ

۶۔ البغوی عبد اللہ بن محمد بن عبد الغفری البغدادی مصنف مجمع الصحابہ (تذکرہ ج ۲ ص ۲۱)
م ۳۱۲ھ، ابو داؤد صاحب سنن ابی داؤد م ۳۱۵ھ

۷۔ ابن السکن الحافظ ابو علی سعید بن عثمان بن سعید السکن البغدادی

(تذکرہ ج ۲ ص ۱۲۰) م ۳۵۳ھ

۸۔ ابن شاہین ابو بکر عمر بن احمد (وفی التذکرہ ابو حفص) م ۳۵۵ھ

۹۔ طبرانی سلیمان بن احمد م ۳۲۰ھ

۱۰۔ ابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ (صاحب صحیح ابن حبان) م ۳۵۴ھ

سے امام بخاری کے استاد روایت ہیں (تذکرہ)

- ۱۱۔ ابن مندہ ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق الاصبہانی، م ۳۹۵ھ
- ۱۲۔ المدینی ابو موسیٰ محمد بن عمر المدینی الاصبہانی، م ۳۵۸ھ
- ۱۳۔ ابو نعیم اصبہانی (احمد بن عبد اللہ)، م ۳۵۸ھ

۱۴۔ البیہقی (!) ابو منصور،

- ۱۵۔ العسکری حافظ الامام ابو الحسن علی بن سید عبد اللہ نزل الرے (تذکرہ جلد ۲) م ۳۰۵ھ
- ۱۶۔ ابن فحون

۱۷۔ حسن صفانی لاہوری م ۶۵۰ھ

ان شخصین کی کتابوں میں سے کتنی ہیں جن کا وجود دنیا میں اس وقت ہے، البتہ صحابہ کرام

کے حالات پر یہ تین کتابیں عام طور پر متداول ہیں

استیعاب لابن عبد البر ۶۱۰ھ

اسد الغابہ لابن اثیر خبری ۶۱۳ھ

اصابہ لابن حجر عسقلانی ۶۵۲ھ

امام حسن صفانی (۶۵۲ھ) صاحب اسد الغابہ (جزری ۶۱۳ھ) کے ہم عصر اور امام ابن حجر عسقلانی، جامع اصابہ فی تیسر الصحابہ (م ۶۵۲ھ) کے مقدم میں، مگر استیعاب و قیاس صحابہ سے قاصر ہے اسد الغابہ میں یہ التزام نہیں، اور صاحب اصابہ بھی اس میں غیر مصیب ہیں، یہ فخر صرف امام لاہوری کو نصیب ہوا، مگر افسوس کہ ہماری سہل الحارسی نے اسے تلف کر دیا،

اذان زمان کہ زد ستم برفت یار عزیز

کنار دیدہ من ہم چور و دجیون ست

اب ہندوستان میں امام حسن کی صرف کتابیں رہ گئی ہیں :-

- ۱۔ مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ،
- ۲۔ موضوعات حسن صفانی،

اور اس مضمون میں صرف اول الذکر مشارق الانوار کی اُن ضیا پاش شاعروں کا انعکاس مقصود ہے، کہ براہ راست مشنواۃ نبوت (صلوۃ اللہ علیہ) سے مقتبس ہیں، یہ شاعرین ہی ہیں، مگر کس نور نیر اللہ! اللہ! پورے عالم کو بقعہ نور بنا دیا، بلکہ

نسبت رویت اگر با ماہ و پروین کردہ اند

صورت نادیدہ تشبہ تخیل کردہ اند

تذکرہ شیخ (امام حسن) | سجدۃ المرجان میں ہے :-

مولانا حسن صفانی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ ابے فرشتہ خصال بہر تھے، کہ گویا ان

کی طینت غامر فکلی سے مزوج ہے، عالم تھے ربّانی، اور صاحب کمالات تھے نورانی

ان کا مولد لاہور ہے، یہاں ان کے اسلاف میں سے کوئی بزرگ صافان سے نشر

لائے، اور صافان ماوار النہر میں ایک بستی ہے، بروایت صاحب مبارق الاذہار

مولانا محمود بن سلیمان بغوی اعلام الاخبار من فقہاء مذہب النعمان المتخار

میں فرماتے ہیں کہ امام حسن بن محمد بن حسن بن حیدر صفانی اخلاف عمر بن الخطاب رضی

تعالیٰ عنہ سے ہیں

فقہ و حدیث کے علاوہ بھی ان کی کئی علوم میں نظر تھی، اصلاً لاہوری تھے، جو

ہندوستان کا ایک شہر ہے، جہاں ۱۱۸۱ھ (۵۷۱ھ) میں پیدا ہوئے، تمام علوم

لہ الفوائد البہیہ فی تراجم الخفیہ مولانا عبدالحی لکھنوی ۱۲۱۱ھ، اسی کتاب کی تلخیص و تہذیب ہے

(الفوائد ص ۳)

اپنے والد سے پڑھے، رداختہ عن والدہ وحصل ووصل وکمل وثمر حاصل
الحی بغدادیہ کے مکمل کے بعد ۱۱۱۱ھ میں عراق کا قصد فرمایا اور بغداد میں اقامت فرمائی
انہوں نے کئی کتابیں لکھیں، ازان جملہ حسب ذیل ہیں:

کتاب الشواذ فی اللغة وشرح الغلاوة السمطیہ فی تریخ الدریت وکتاب لانتقا
و کتاب العروض و مشارق الانوار و البصائر فی احادیث مصباح الدجی و الشمس المیزة
و شرح النجاشی و در السجایہ و شرح کتاب الفرائض کتاب الباب فی اللغة،

موجودہ کتاب الباب بن قلم تیسرے حرف تک پہنچا تھا کہ یکایک اجل آپہنچا
یہ بغداد کا واقعہ ہے، اور اپنی میت کے لئے مکہ معظمہ میں دفن کی وصیت فرمائی،

اور اس نقل مکانی میں حقہ سینے والوں میں سے ہر ایک کے لئے پچاس دینار معاوضہ
کی وصیت لکھی، کچھ مدت اپنے دولت کہہ (بغداد) ہی میں مدفون رہے، آخر اسی
سال ۱۱۱۱ھ میں وفات ہو گئی،

اپنی زندگی میں برسوں مکہ معظمہ مقیم رہے، وہاں سے عراق اور یہاں سے سفارت
پر ہندوستان تشریف لائے، (از ۱۱۱۱ھ تا ۱۱۲۲ھ) ۱۱۲۲ھ میں بغداد پہنچے، اور
اس کے بعد پھر کہیں نہ گئے،

حدیث انہوں نے مکہ معظمہ میں، عدن میں اور ہند میں بھی پڑھی،

مگر نہیں کہا جاسکتا کہ امام حسن کے عہد میں ہندوستان میں حدیث کا درس عام یا خاص

۱۔ مصباح الدجی نسخہ منہ فی انوار المصریہ بخط عبد اللہ الموقت بالقطرہ فرغ من کتابتہ، سنہ ۱۱۱۱ھ
اور قیام ۳۱، نسخہ آخری فی مکتبہ شیخ الاسلام، نسخہ آخری فی خانہ برلن تحت رقم ۱۱۵ (تذکرۃ النوازل)
۲۔ سجدۃ المرجان فی آثار ہندوستان ص (۲۹، ۲۸)

کہاں تھا، اہم یہ محدث کون بزرگ تھے،

امام حسن کے تذکرہ کے بیان میں اولیت کا تاج امام ذہبی صاحب تذکرۃ المحققین
کے سر پر ہے، فرماتے ہیں :-

امام حسن صفحانی ۱۱۱۱ھ میں شہر لاہور میں پیدا ہوئے، غزنہ میں سن رشد کو

پہنچے، ۱۱۱۵ھ میں بغداد آئے، اور خلیفہ کی طرف سے سفارت کے لئے ہندوستان
بھیجے گئے، جہاں کچھ مدت قیام پذیر رہے،

اب حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے، اور ۱۱۱۷ھ میں ہوتے ہوئے بغداد تشریف لائے
یہاں سے پھر ہندوستان اور بالآخر بغداد آ گئے،

ہندوستانی سیرنگار میں سے آزاد بلگرامی (۱۱۲۰ھ) نے امام کا ذکر خیر سجدۃ المرجان میں کیا کہ
اوپر گزر گیا، ان کے علاوہ جب راجا لاخار میں شاہ عبدالحق دہلوی (۱۱۲۲ھ) نے ارباب خیر
صلاح میں صفحانی کا سراپا لکھا ہے،

انکے مولفات میں نواب صدیق الحسن خان ننان کتابوں کا اضافہ فرمایا ہے، خطہ الجلا

زبدۃ الناسک، درجات العلم والعلماء، التکلیف، مجمع البحرین، راجل جمع لغت عرب، کشف الحجاب
عن احادیث الشہاب، جیسا کہ فرماتے ہیں: اور اسے ابن ادریس تصانیف و تخریج کشف الحجاب عن احادیث الشہاب

کشف الحجاب تہذیب و ترویج ہے، شہاب الاخبار لابن سلامہ (۱۱۲۵ھ) کی جس میں
ابن سلامہ نے احادیث کے ایک ہزار جملے ایسے جمع کئے ہیں جن میں سے ہر ایک جملہ کسی غیر منضبط (غیر مذکور)
فقہ (حدیث) سے مربوط تھا،

۱۔ مقدمہ تحفۃ الاحوذی (۱۲۶) ترجمہ ۱۱۱۱ھ اتحاف النبلا، للنواب (۱۱۲) ۱۱۲۵ھ قاضی ابو عبد اللہ محمد بن

سلامہ بن جعفر بن علی بن حکون القضاہ الشافعی (م ۱۱۲۵ھ) اتحاف النبلا (۱۱۲)

شہاب الاخبار کی تحفہ شیخ نجم الدین محمد ابن احمد خطی الاسکندری (۹۸۴ھ) نے کی۔
 اصلاحی امام حسن محمد صفائی کردہ، وکشف الحجاب عن احادیث الشہاب نام نہادہ
 دہرائے صحیح و ضعیف علامتے مقرر کردہ مثل المشارق

اسی کشف الحجاب کا دوسرا نام تخریج الاحادیث للقضاعی ہے، ان سابقین (باخیرات)
 کے سماعی کس قدر حیرت انگیز ہیں، ایک ہی کتاب کے کیسے کیسے ظروٹ تیار فرماتے ہیں، ایک صاحب
 (ابن سلامہ) نے کسی حدیث کا صرف ایک جملہ لے لیا، وہ بھی شروع کا نہیں، بکد پہلے فقرہ و بعد کا
 کوئی ٹکڑا، اور اس طرح ایک ہزار جملے چُن دئے،

دوسرے صاحب (قضاعی) کی فہمت آئی، اس ایک ایک جملہ کا ماقبل فقرہ تلاش کر کے ہترا
 کو پہلے سے مربوط کر دیا، ادویہ ہندوستانی اہل الحدیث امام حسن ہیں، انھوں نے دونوں (ابن سلامہ
 اور قضاعی) کی غزو گزاشتوں پر قبضہ فرمایا، پھر ان احادیث کی تخریج جیسا امام درہم راز و اشکات
 کیا، تو دوسرے موضوعات کتاب اشہاب و انجم جمع نمودہ، اور اس تخریج کا نام الدر المنقطعی تبیین
 و اللغات ثبت فرمایا،

(باقی)

۱۰۲۰ احکام النبلاء (۱۰۲) ۱۰۲۱ ایضاً (۱۰۲) ۱۰۲۲ فرس الکتاب العربیہ فی الدار لغایت ۱۰۲۳ عیسوی
 م ۹۲ رقم ۱۸۸۵ ۱۰۲۴ احکام النبلاء ۱۰۲۵، اور انجم بھی امام قضاعی شافعی کی کتاب ہے،

خطبات اس

مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۹۲۹ء میں اس میں سیرت بنوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ
 خطبے دیئے تھے، جو نہایت مقبول ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو بے حد پسند کیا،
 جو تھا اڈیشن قیمت پیر ضخامت ۲۰۰ صفحے

منہج

تلخیص و تبصیر

اندلس کا اسلامی تمدن

دارالمصنفین میں تاریخ اسلام کے سلسلہ کی جو تدوین جاری ہے، اس میں اسپین کی حکومتوں کی تاریخ
 کی ترتیب راقم بطور کے سپرد ہے، اس سلسلہ میں ہمارے لائق دوست ڈاکٹر شیخ غایت اللہ صاحب
 پروفیسر گورنمنٹ کالج، لاہور نے اپنے مکتوب میں کیمبرج میڈیول ہسٹری کے ایک مقالہ کا ذکر کیا،
 اتفاق سے اس کی جلدیں ہمارے کتب خانہ میں موجود تھیں، موصوف نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری
 سے اس کا نسخہ ارسال فرمایا، اور وہ مقالہ دیکھنے میں آیا، کتاب کو جلد ہی واپس کرنا تھا، اس لیے اس مقالہ
 کی ضروری تلخیص کرنی، یہ مقالہ اس کتاب کی تیسری جلد میں صفحہ ۴۰۹ سے ۴۲۲ میں آیا ہے، مقالہ نگار
 ڈاکٹر فیل الٹامیرا (Prof. Altamira) میڈرڈ یونیورسٹی کے پروفیسر، اور پبلک
 انٹرکشن کے ڈائریکٹر جنرل تھے، انھوں نے اس کو مغربی اور یورپی زبانوں کے بہت سے قابل قدر ماخذ
 مرتب کیا ہے، اور پورا مقالہ مختصر ہونے کے باوجود اپنے موضوع پر جامع ہے، خصوصاً اس کے آخری حصہ
 میں اندلس کے اسلامی تمدن پر اختصار سے جو گفتگو کی گئی ہے، اس میں اس موضوع کے خاصے مملوآت
 سمٹ کر آگئے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ تلخیص کے طور پر معارف کے ناظرین کے مطالعہ
 کے لیے اس کو پیش کیا جائے، مقالہ کا یہ حصہ کتاب کے صفحہ ۴۲۹ سے ۴۴۲ میں آیا ہے۔

اسلامی قبیلہ اور فرقہ | اسپین کے اسلامی تمدن کی ترقی میں یہاں کے اسلامی قبیلوں اور جماعتوں کی گونا گوں

تقسیموں سے غیر معمولی رکاوٹیں پیدا ہوئیں، عبد الرحمن الناصر کے دور حکومت کی یکجہنگی اور قبائلی اتحاد کو نظر انداز کر کے اسپین کے پورے اسلامی دور حکومت میں اسلامی فرقوں اور قبیلوں کی تقسیم قائم رہی، عربوں نے ایرانیوں، بربروں، اور دوسری قوموں کو فاتح ملکوں کی حیثیت سے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، پھر خود عربوں میں بھی یعنی، شامی اور دوسرے گروہوں کی باہمی قبائلی تقسیم تھی، پھر ہر قبیلہ میں اس کے سردار اور عام لوگوں اور اس قبیلہ سے متعلق غلاموں کی سہ گونہ تقسیم قائم تھی، عبد الرحمن الناصر کے دور حکومت میں اشرف عرب کی تقسیم کو مٹا دیا گیا تھا، ان کی جگہ متوسط طبقہ کے لوگوں نے لے لی تھی اور تجارت، صنعت اور حرفت وغیرہ کے ذرائع سے غیر معمولی دولتوں کے مالک بن گئے تھے، اس کے ساتھ فوج کے مشترکہ سواروں کی قیادت کا سلسلہ جاری ہوا، مزدوروں کی جماعت متوسط طبقہ کے ماتحت آگئی، اور اس میں مالی اتری کا احساس پیدا ہو گیا، اندلسیوں اور غلاموں کی کثرت سے اور لوگوں میں آزاد حکومت قائم کرنے کی خواہش بھی پیدا ہو گئی، عربوں اور بربروں نے اس طرح شہروں کو آباد کرنے اور ترقی دینے میں پیش قدمی حاصل کر لی،

غلاموں کی جماعتیں گاؤں اور قصبوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں، ان کی حیثیت ذریعہ تھک کے دیہاتوں سے زیادہ بہتر تھی، نیز ان میں بہت سے ایسے تھے جو خود ذاتی غلام کی حیثیت رکھتے تھے، ان میں سے بہت سے غلام فوجی خدمت میں داخل ہو گئے، اور رفتہ رفتہ وہ بڑے اہم اہم عہدوں کے مالک ہوتے گئے، پھر باقاعدہ غلاموں کے متبعین کی جماعتیں بنتی گئیں، اور وہ بڑی بڑی دولتوں کے مالک بن گئے، اور غیر معمولی سیاسی اہمیت حاصل کر لی، یہ غلام صرف سپاہی نہ تھے، بلکہ غلاموں کے غلام فوجی عہدوں کے علاوہ کشوری عہدوں پر بھی بڑی تعداد میں مقرر ہونے لگے، خصوصاً منصوبہ کار کی وفات کے بعد ان کے اثرات نہایت فیصلہ کن ثابت ہونے لگے،

مولیٰ آزاد کردہ غلام، اپنی حیثیت کے اعتبار سے درمیانی شخصیت رکھتے تھے، ان میں

بیشتر وزیر کا تھک کے اخلاق باختہ دہقان تھے، جنہوں نے اسلام قبول کر کے آزادی حاصل کر لی تھی، اور جیسا کہ ہم نے دیکھا وہ قدیم اہل اسلاموں کی طرف سے مشتبہ نظروں سے دیکھے جاتے تھے، اور ان کی وجہ سے روز بروز بنائیں رونما ہوتی رہتی تھیں، عبد الرحمن ثانی کے زمانہ سے ان کی تعداد دہکوں کے نظم و نسق میں بڑھتی گئی، اور ان کے تمدنی اثرات طاری ہوتے گئے،

یہودی | یہودیوں کی قانونی حیثیت عربوں کے زیر حکومت ترقی کرتی گئی، خصوصاً قرطبہ کی تجارتی و صنعتی ترقیوں میں ان کا اہم حصہ تھا، خلفاء کے زمانہ میں انہوں نے زیادہ ترقی کی، مشہور یہودی صدی جو عبد الرحمن الناصر کا خزانچی اور وزیر تھا، اور جس نے بعض اہم کتابوں کے ترجمے بھی کئے تھے، اپنے سیاسی تدبیر اور دور اندیشی میں مشہور تھا، اس کے بہت سے ہم مذہب اس کی سرپرستی میں مشرق سے اندلس میں آئے اور انہوں نے تالمودی اسکول قائم کئے، جو عراق کے اسکول کا نقشہ ثانی تھا، قرطبہ کے یہود نے عربوں کے لباس، زبان اور معاشرت کو قبول کر لیا تھا، اور خلفاء کی طرف سے ان کی ہر موقع پر پشت پناہی کی جاتی تھی،

اسپینی عیسائی | مناصب یعنی حکومت اسپینی عیسائیوں نے ابھی تک اپنی حکومت اور اپنے نظام کو برقرار رکھا تھا، ان کے شہروں میں انہی میں سے گورنر مقرر کیے جاتے تھے، جن کو خلیفہ منتخب کرتا تھا، انہوں نے اسلامی حکومت کے شباب کے زمانہ میں بھی اپنا سفیر یا قانونی وکیل رکھا، جو خلیفہ کے حضور میں ان کے حقوق و واجبات کی وکالت کرتا تھا، اکثر انہی میں کھلٹر اور قاضی درج بھی ہوتا تھا، یہ لوگ اسلامی قوانین کی پابندی کرتے اور اپنی انفرادیت کو برقرار رکھ کر ملحدوں میں رہتے تھے، لیکن معاشرتی حیثیت سے ان میں اور اسلامی آبادیوں میں کوئی زیادہ مغایرت نہ تھی، اگرچہ یہ لوگ وزیر کا تھک سے ملتے جلتے تھے، اس کے ساتھ اسلامی سیادت و حکمرانی کو برقرار رکھا

یہ پورا بیان مقالہ نگار کی غنیمت پر مبنی ہے،

سے انگیز کرتے تھے، یہی ان وزیگتھوں اور اسپین کے محکوم عیسائیوں میں ایک فرق قائم تھا،
انتظامِ حکومت اور عدالت | اسپین ابتداً خلافت دمشق کا ایک صوبہ تھا، جس کا ایک امیر ہوتا تھا، بعد ازاں
اول نے اس نظام کو اپنی آزاد سلطنت قائم کر کے توڑا، اگرچہ ۹۲۹ء تک خلیفہ کا لقب اسپین میں
اختیار نہیں کیا گیا، لیکن عبدالرحمن ثالث نے اس رسم کو بھی پورا کر دیا، خلیفہ سب سے بلند سیاسی
و روحانی آمر و حاکم سمجھا جاتا تھا، وہ بسا اوقات اشراف کے انتخاب سے منتخب ہوتا تھا، لیکن عملی طور
پر یہ موروثی عہدہ تھا، خلیفہ کے بعد صاحبِ یا وزیرِ عظم ہوتا تھا، اور اس کے متعدد وزراء ہوا کرتے تھے،
جو مختلف شعبوں کے نظام کے ذمہ دار تھے، جیسے خزانہ، محکمہ جنگ وغیرہ، ان کا تعلق حاجب کے واسطہ
سے خلیفہ سے ہوتا تھا، پھر کاتب یا سکریٹری ہوتے تھے، انتظامی دفاتر دیوان میں جمع ہوتے تھے،
اور اسی میں مختلف دوسرے دفاتر بھی ہوا کرتے تھے، صوبے جو تعداد میں چھ تھے ماتحت تھے، یہ قریب
کے علاوہ تھے، یہ صوبے سول اور میٹری گورنر کے ماتحت ہوتے تھے، جس کو "والی" کہا جاتا تھا، چند اہم
شہروں کے والی علیحدہ بھی ہوتے تھے، اور صوبہ سرحد میں ایک فوجی سپہ سالار عہدہ دار ہوتا تھا،
خلیفہ، محکمہ عدالت کو براہ راست اپنے ماتحت میں رکھتا تھا، لیکن قوانین کے مطابق اس کی یہ
ذمہ داریاں قاضی انجام دیتے تھے، اور چھوٹے ضلعوں میں ان کو حاکم کہا جاتا تھا، ان میں سب سے
اونچا عہدہ قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کا تھا، جو قریب میں رہتا تھا، ایک خاص رنج "صاحب الشرطہ"
تھا، یا صاحب المدینہ کہا جاتا تھا، یہ فوجداری اور پولیس کے مقدمات کی سماعت کرتا تھا، قریب
میں ایک اپیل رنج "صاحب المظالم" تھا جو سرکاری عہدہ داروں کے خلاف مقدمات سنا تھا، عوامی
مزاحمتیں جبراً نے قید اور موت کی دی جاتی تھیں، عام ٹیکسوں کے علاوہ ذاتی اور حقیقی جائیدادوں سے
"مخمس" ٹیکس وصول کیا جاتا تھا،

فوج | قبائلی میٹری نظام کے ساتھ منسلک تھے، ہر قبیلہ کا ایک سردار اور اس کے ماتحت ہوتے تھے،

سپاہی تنخواہیں، ہم کے خاتمہ پر پانچ سے دس اشرفیوں تک پاتے تھے، بدلی "جو موسمی" (فاتح اندلس) کے ساتھ
آئے ہوئے عرب تھے، وہ بغیر کسی اہم موقع کے فوجی خدمت کے لیے نہیں طلب کیے جاتے تھے، یہ سپہ سالار
اور قائد کے جاتے تھے، ان میں سے عوام اکثر سوار ہوتے تھے، اپنی فوج تواریس، تیراکن اور نیزے استعمال
کرتی تھی، اسی طرح وہ مدافعتی اسلحہ تھے، جو اس زمانہ میں رائج تھے، ان کے اسلحہ چھپیلے اور روشن اور سی
طرح کے تھے جیسے بزنطین کے،

فوج کے ماتحتوں کی سیاست میں انقلابات بھی برپا ہوتے تھے، نظم و ضبط قبائل کے علاوہ
ان میں خارجی عناصر بھی تھے، ان میں اولاً غلاموں کو درجہ حاصل تھا، پھر وہ کرایہ کے سپاہی تھے جو دیہات
نوار اور قسبہ سے حاصل ہوتے تھے،

بحری بیڑے کی ترقی عبدالرحمن ثالث کے زمانہ میں ہوئی، امر یہ اہم بندرگاہ تھا، بحرِ روم میں
اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی، ان کے حملے سپہ سالار کے ماتحت ہوتے تھے، جو قائد اور امیر البحر
کہے جاتے تھے، یہ حملے کلیشیا، اسٹریاس اور کبھی افریقہ پر ہوتے تھے، اس زمانہ میں بحرِ روم پر عربوں کو قیادت
حاصل تھی، دسویں صدی کے بعد عربوں کی بحری طاقت کو زوال آیا، جب کہ فاطمیوں کا اقتدار زائل ہو گیا،
مذہب | مسلمانوں کے مذہب کی بنیاد خدا کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار اور
خلیفہ کے اعلیٰ روحانی پیشوا ہونے پر تھی، لیکن عربوں اور بربروں میں مختلف آراء و خیال جماعتیں بھی
تھیں، مقلد جماعتوں (یعنی فقہی مذاہب) میں مالکیوں کو اقتدار حاصل تھا، نیز ان میں کچھ زیادہ تھے جو "زواہر"
کہے جاتے تھے، کچھ لوگ فلسفہ اور دوسرے علوم کے مطالعہ میں مصروف تھے،

مسلمانوں کے قانون کی بنیاد قرآن مجید تھا، اور وہ حدیثیں تھیں، جن میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کا قول و عمل بیان کیا گیا ہے، یہ حدیثیں "سنت" کہی جاتی تھیں، ان کا خاص مجموعہ جو اسپین میں پہنچا وہ
خلیفہ کی اعلیٰ روحانی پیشوائی کے اقرار کو جزو دین بنانا مقالہ لنگا کی نادرانی ہے،

موطا تھا، جہاں تک بن النسنس کا تعلق دیا جوا تھا، اور جس میں ایک ہزار سات سو چھیتر درج ہیں،
اس زمانہ تک کوئی خاص مجموعہ قانون تیار نہیں ہوا تھا، لیکن فقہ کی خاص تالیفات مرتب تھیں،
فقہ کے ان مجموعوں میں مذہبی امور عبادت (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نکاح اور طلاق وغیرہ کے قوانین
منضبط تھے، بالیکوں کے زیر اثر مجموعے اسپین میں داخل ہو چکے تھے،

دولت اور صنعت و حرفت | خلفاء کے زمانہ میں مسلمان اندلس، یورپ کے ممالک میں غیر معمولی دولت مند اور
آباد شہروں والے ہو گئے تھے، قرطبہ میں مکانوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ تھی، اور ان میں زیادہ اضافہ
عبدالرحمن ثالث کے دور حکومت میں ہوا، اسی زمانہ میں قصر الزہراء تعمیر ہوا، اور المنصور نے قصر الزہراء
بنوایا، دوسری تعجب خیز معمارت مسجد جامع تھی، جس کی تعمیر کی ابتدا عبدالرحمن اول کے زمانہ میں ہوئی تھی
قرطبہ اس زمانہ میں دنیا کے تمام حصوں کے سیاحوں اور مسافروں کے لیے نقطہ اتصال تھا،

صنعت و حرفت اور تجارت کو بھی غیر معمولی فروغ حاصل تھا، زراعت میں بھی چھوٹے چھوٹے
قطعہ اراضی کے مالکوں کے ہاتھوں سے نمایاں ترقی ہوئی، اسپین کے باشندے وزیگاتھ کی بنسبت عربوں
کے دور میں معاشرتی حیثیت سے زیادہ بلند تھے، عربوں نے اپنے زرعی تجربات سے فائدہ اٹھایا،
اور ایشیا کے مختلف کے زرعی پودوں، اور خصوصیتوں کو یورپ کے ان شہروں میں رائج کیا، کاشتکاروں
میں زیادہ حصہ محکوم اپنی میسائیوں کا تھا، عربوں نے عبدان کو اپنے تجربے سکھا دیئے مسلمانوں نے
انارگنے اور دوسری مشرقی پیداوار کو یہاں رواج دیا، انھوں نے نروں کے کھودنے اور ان کو دو
تک سے جانے کا طریقہ جاری کیا، یا اس میں ترقی دی، جن سے باغوں اور کھیتوں کی آبپاشی
ہوتی تھی، خصوصاً صوبہ مرسیہ اور غرناطہ وغیرہ میں نروں کے چال کو پھیلایا، موشیوں کو نسلی تربیت دی
یہ قابل ذکر بات ہے کہ مزدوروں میں عربی سنہ و تاریخ کے بجائے رومی سنہ رائج تھا،

سولہ ہندی اور دوسرے دہاتوں کی کانیں تھیں جن میں کان کشی کی گئی، جیان (jaen)

الزہب (پتھر کا) (Algarve) باجوہ (Beja) اور مالقا (Malaga)
میں کھودی جاتی تھیں ان میں سے موزالذکر و مقاموں کے محل اور یا قوت شہرت رکھتے تھے، سونے اور
ریشمی کپڑوں کی بنائی قرطبہ، مالقا اور المریہ میں جاری تھی خاص قرطبہ میں ۳۳ ہزار اونٹنے والے موجود تھے جڑ
(Datewe) میں کوزہ گری اور کھاری کے فن کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی، اور المریہ
شیشہ گری کی صنعت جاری تھی، اسی طرح کانے اور لوسہ کے مختلف ظروف بنائے جاتے تھے
اسی طرح شاطیہ میں عربوں نے فن کاغذ سازی کو سب سے پہلی مرتبہ روشناس کیا، جارجمانہ و دافناہ جملوں
کے ہتھیار اور اسلحہ قرطبہ اور دوسرے مقاموں میں بنائے جاتے تھے، طلیطلہ تواروں اور ذراع کے
مشہور تھا قرطبہ چڑے کی ہر قسم کی صنعت کا مرکز تھا، اور یہیں سے جنت سازی کے طریقے اخذ کیے گئے،
مقرنی کے بیان کے مطابق قرطبہ کے ابن فرنان نے بارہ چڑھا کر آئینہ سازی کا طریقہ دریافت کیا، اور
مختلف قسم کے وقت پر آلات بنائے، نیز ایک اڑنے والی مشین تیار کی،

ان صنعتی ترقیوں سے تجارت کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی، تجارت عموماً سمندر کی راہ سے ہوتی
تھی عبدالرحمن ثالث کے زمانہ میں بڑی اہم آمدنی درآمد و برآمد کے ٹیکس کے ذریعہ سے وصول ہوتی تھی
اشبیلیہ سے جو اسپین کے عظیم ترین بندہ گاہوں میں سے تھا، جو جنرل باہر بھی جاتی تھیں، وہ ڈلی
تیل آریٹون، اور یہاں کی دوسری مقامی پیداواریں تھیں، یہاں کی آبادی گنجان تھی، جن میں زیادہ تر
نورسک تھے، اور تجارت میں پیش پیش رہتے تھے، عبداللہ کی امارت کے زمانہ میں جب کہ ابن الحجاج
یہاں اقتدار اعلیٰ کا مالک بن بیٹھا تھا، یہاں کی بندرگاہ جہازوں سے بھری رہتی تھی، جن میں مصری
کپڑے، غلام، اور گائے والی لڑکیاں یورپ اور ایشیا کے ہر حصہ سے آتی تھیں، جیاں اور مالقا
سے اہم ترین برآمد، عفران، انجیر، شراب، سنگ مرمر، اور شکر کی ہوتی تھی، اسپین کا برآمد مال افر
مصر اور قسطنطنیہ جاتا تھا، اور پھر وہاں سے وہ ہندوستان اور وسطی ایشیا میں بھیجا جاتا تھا، اسپین کے

تجارتی تعلقات صرف قسطنطنیہ سے قائم نہ تھے، بلکہ مشرقی ممالک کے اکثر مقامات سے بھی استوار تھے خصوصاً کہ بغداد اور دمشق کو مال جاتا تھا، خلفائے واک کا نہ منقطع ہونے والا سلسلہ قائم کر رکھا تھا، حکومت اور تجارت کی ضروریات سے عربوں کو اپنے کتبے بھی جاری کرنے پڑے، جو سمجھے جاتے ہیں کہ وہ لا مشرقی طریق سے اخذ کئے گئے تھے، سونے کا سکہ دینار تھا، اور وہ لوگ نصف دینار اور تہائی دینار کے سکے بھی استعمال کرتے تھے، چاندی کا سکہ درہم تھا، اور تانبے کا فلس، جس کو لاطینی میں *Follis* کہتے ہیں، بعض اوقات یہ سکے اپنے وزن اور قیمت میں گر

بھی جاتے تھے،

زبان حکومت کے ملازمین کے لیے سرکاری زبان میا، عربی تھی، جو قرآن مجید کی زبان ہے، لیکن بول چال کی عام زبان ایسی تھی جس میں لاطینی یا رومانی زبانوں کے وہ الفاظ مل گئے تھے جو مفتوح قوموں کی بولیوں سے آئے تھے یہ زبان مشرق میں شکل سے بھی جاسکتی تھی، یہ میرا (*Prich*) نے ابن قرآن کی صوتی کتاب (*Songbook of Alankingman*) کے مطالعہ سے اس کا اندازہ لگایا ہے کہ قرطبہ کی عدالتوں میں بھی یہ دعویٰ زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی قاضی اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے، اور دوسرے عہدہ دار بھی اس زبان کے رواج پانے کی خاص ضرورت سمجھی جاتی ہے کہ عرب سپاہیوں نے اپنی غورتوں سے شادیاں کر لی تھیں، ابن بشکوال، ابن الابی وغیرہ ایسے مصنفین تھے جو عربی جانتے کی وجہ سے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے، اس لیے اسپین کے مسلمانوں میں بھی یورپ کے دوسرے خطوں کے باشندوں کی طرح دو قسم کی زبانیں رائج تھیں، ایک تو میا، یعنی عربی زبان تھی، دوسری عام بول چال کی زبان، جیسے اپنی میا، لاطینی اور عربی استعمال کرتے تھے، اسی طرح شمالی اسپین، میا، ممالک کے باشندے لاطینی اور رومانی دستاویزیں لکھتے تھے،

تعلیم ادبیات اور فلسفہ تعلیم کا کوئی بندھا ہوا نظام جاری نہ تھا، یہ سلسلہ کا واقعہ ہے، جب کہ بغداد

میں پہلی یونیورسٹی قائم کی گئی، حکم کے زمانہ حکومت میں یہاں تعلیم سے بچی پی گئی، خصوصاً اس لیے کہ کئی بڑے کو فروغ دیا جائے، لوگ اس مذہب میں کمال حاصل کرنے کے لیے مشرق کا سفر کرتے تھے، حکم ثانی کے لیے مشرق کا سفر ممکن نہ تھا، اس لیے وہاں کے ماہرین تعلیم قرطبہ بلاتے گئے، جنہوں نے یہاں کچھ دیے، لیکن اس بچہ کو بھی سرکاری حیثیت سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، اس نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک تعلیم کی اشاعت کا خیال رکھا، اس نے اپنی وصیت کے مطابق اساتذہ کی تختہ ہوں اور تلامذہ کے حفاظت کے لیے اپنی دولت وافر حصہ منفرود کر دیا، لیکن اس کا تعلق صرف مذہبی تعلیمات سے تھا، اگرچہ ماہرین نے آندالوس سے بھی اپنی بچہ پی قائم رکھی، اور ان علوم کو ترقی دیتے رہے، لیکن ماضی قحط سے عام بچہ کی وجہ سے اس کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا، وہاں اسی میں فن کا کمال حاصل کیا جا رہا، ابتدائی تعلیم جیسے کہ تمام اسلامی ملکوں میں رائج تھی، یہاں بھی قرآن مجید سے شروع ہوتی تھی، کتابت کا فن بھی اسی زمانہ میں سیکھا جاتا تھا، پڑھنا اور لکھنا دونوں لازمی تھا، اگرچہ تعلیم حکومت کے اثر سے پورے طور پر آزاد تھی، لیکن اس قدر رائج تھی کہ اکثر بچہ پی جانتے تھے کہ کس طرح لکھنا پڑھنا چاہیے، اعلیٰ تعلیم میں قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، اور دوسرے مذہبی علوم کے بلند پایہ مصنفین تھے، ان علوم کے اساتذہ عربی فلسفہ، صرفہ، نجوم، ادبیات، تاریخ، نظم، نثر، منثورات، حکایات، طب، فلسفہ، یرمان اور سحر وغیرہ کی تعلیم دینے میں ماہر ہوتے تھے،

شاعری کو نمایاں اہمیت اور بڑی مقبولیت حاصل تھی، اور زندگی اور معاشرہ پر اس کے خاص اثرات تھے، قبائل میں مختلف شعرا، سوتے تھے، ان میں سے ایک کو شاعر قبیلہ کی حیثیت حاصل ہوتی تھی، لڑائیوں میں ان کی شاعری سے نمایاں خدمات انجام پاتے تھے، ان کی شاعری رجز کا کام کرتی تھی، مجمع عوام میں بھی شاعری کو عام مقبولیت حاصل تھی، عہدہ داروں اور امراء کی مجلسوں اور خلفائے مملوکوں میں اس کو رسائی حاصل تھی، شعرا بڑی بڑی تنخواہیں پاتے تھے اور مختلف مواقع

پر گرا نقدر انعامات حاصل کرتے تھے۔

شاعری کے علاوہ اندلسی عربوں نے تاریخ اور جغرافیہ سے بھی بڑی دلچسپی قائم رکھی، لیکن مختصر میں
اندلسیوں کے لیے نامعلوم تھے، اگرچہ فلسفہ کی محنت کی گئی، تاہم اس کا مطالعہ پراپیٹ طور پر جاری
نہیں تھا۔ فلسفہ کے چند اسکول دراصل وہاں کی چند خفیہ مجلسیں تھیں، یقینی طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ اس تحریک
کے اثر سے فلسفہ نے یورپ میں رواج پذیر ہونے کا راستہ پایا، ایسی ہی ماہرین جنہوں نے مشرق کی سیاحت
کی انہوں نے فلسفہ کے مضمین کی کتابیں اور یونانی فلسفہ کے ترجمہ کو پڑھا، اس طرح اندلسیوں نے
فلسفہ کو یورپ میں روشناس کیا، خصوصاً تیلیسی فلسفہ میں سے پھیلا،

علم ہیئت اور فلکیات کو بھی فلسفہ کی طرح عوام کے لیے مضر سمجھا گیا، اور اس کے مطالعہ
کو منع قرار دیا گیا، بایں عرب مسلمانان اندلس میں ممتاز ماہرین فلکیات پیدا ہوئے، حساب اور فن
کی تحصیل کی عام آئندہی حاصل تھی، طلب میں اندلس والوں نے مشرقی فن کو آگے بڑھایا، اور اس
کی تحصیل میں کہاں حاصل کیا، اس طرح عمدہ سطحی کے فن طلب میں انہیں نمایاں امتیاز حاصل تھا،
نچرل سائنس بھی یہاں کے ڈاکٹروں کا محبوب موضوع تھا، یہودیوں نے بھی عربوں کا اتباع کیا،
اور ان میں طبیعات اور نچرل سائنس کے ممتاز ماہرین پیدا ہوئے، اسپین کے ان کے علوم کے اثرات
مغربی یورپ میں پہنچے، (باقی)

”

مدوۃ المصنفین دہلی قریب

مدوۃ المصنفین اور اس کے رسالہ برہان کا جو دفتر قریب دہلی میں قائم تھا موجودہ ہنگامے میں تباہ ہو جانے
کی وجہ سے وہاں سے اشاعت کی صورت برہان کی اشاعت ملتوی کر دی گئی ہے۔ اب دہلی میں کسی مناسب
مکان کی تلاش جاری ہے اور حالات کے اور بدلے بہتر طریقہ
پیدا ہوا اور مکتبہ برہان سے متعلق مکاتبت کریں وہ مندرجہ ذیل پتہ پر کریں۔

دعوتی علیق الرحمن عثمانی، ناظم مدوۃ المصنفین، معرفت کتب خانہ، علم و ادب، اردو بازار، جامع مسجد
دہلی

استفسار ”اسلامی یا مسلمانوں کا ملک“

جناب عبدالعزیز صاحب کورپوری { سیر افغانستان زیر مطالعہ ہے۔
گوہر پور ضلع سیالکوٹ (مغربی پنجاب) { اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ افغانستان
کی سیر کو تین ہم سفر نہیں نکلے بلکہ ان کے عین عقب میں مولوی محمد حسین آزاد مرحوم
کے فرشتہ رحمت کے ہمراہ ایک اور کالبد بھی محو پرواز ہے، جو اول تو سید سلیمان ندوی صاحب
کے موٹر کی رہنمائی میں سفر کرتا ہے، اور خیمہ کی بند یوں پر سے ہوتا ہوا، عتیق اور بھیا نکھڑوں
کو پار کرتا ہوا کابل پہنچتا ہے اور پھر وہ اور بزرگوں کی جلوت و غلوت کی محفلوں میں بھی رہا ہے
شریک ہونے لگتا ہے، لطف یہ کہ وہ سب کو دیکھتا ہے لیکن اسے کوئی نہیں دیکھتا،
جب جناب سید صاحب کی ملاقات شاہ نادر خاں مرحوم کے ساتھ ایک بند کمرہ
میں ہوتی ہے تو گو کمرہ میں جناب سید صاحب اور شاہ منصور کے سوا کوئی دوسرا مقنس
موجود نہیں ہوتا تاہم ایک آنکھ ضرور ایسی ہے جو طرفین کے جملہ حرکات و سکنات کو کمال
ہوشیاری کے ساتھ دیکھتی ہے اور ایک کان ضرور ایسا ہے جو طرفین کے اظہار مطالب
کو پوری ہوش مندی کے ساتھ سنتا ہے،

جناب سرور خاں گویا کا جب ذکر کرتا ہے تو آنکھوں کے سامنے ایک سرخ و سپید
وہیہ او قوی الجنتہ اذان آ جاتا ہے جسے میں نے ابھی شکل سے دوہینے ہوئے ہیں، یزید

اور نیشنل کانگریس (لاہور) کے ایک عام اجلاس میں تقریر کرتے سنا تھا، صاحب موصوف نے پروفیسر شستری صاحب جو یونیورسٹی میں جدید فارسی ادب کے استاد ہیں، کی صدارت میں حضرت داتا گنج لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پر ایک پرچہ فارسی زبان میں پڑھا تھا، اور بعد ازاں حاضرین کے اصرار پر اپنی ایک غزل بھی سنائی تھی انشتہ خوش، شکستہ خوش وغیرہ۔ وہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ کابل کی انجمن ادبی کے صدر ہیں۔

اسلام کی صحیح روح کو سمجھنے کی کوشش کرتے کرتے ذہن کی تربیت کچھ اس ڈھب پر ہو گئی ہے کہ اب کسی کتاب یا رسالے میں کوئی بات اگر اس خاص طرز خیال سے ذرا بھی ہٹی ہوئی نظر آتی ہے تو دماغ میں الجھن پیدا ہوتی ہے، اور تشویش ہوتی ہے کہ یا تو یہ بات اصلیت سے دور ہے یا اپنا انداز فکر ناقص ہے،

اپنے ذہن میں "اسلامی حکومت" اور "مسلمانوں کی حکومت"، "اسلامی ملک"، اور "مسلمانوں کا ملک"، "جنگ" اور "جہاد" وغیرہ ایک چیز کے دو نام نہیں ہیں، بلکہ ان میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ ادھر حالت یہ ہے کہ جب مجھے ایسے کم علم لوگ آپ ایسے بندگان جن پر قوم کو بجا طور پر ناز ہونا چاہیے اور ہے، کی گراں قدر تصانیف میں مذکورہ الفاظ کو متبادل اور مترادف طور پر استعمال ہوتا دیکھتے ہیں تو ذہن خواہ مخواہ الجھتا ہے۔ زیر نظر کتاب میں جب اکثر مقاموں پر افغانستان کو "آزاد اسلامی ملک" اور "مسلمانوں کی جنگ" کو اسلامی جہاد لکھا دیکھتا ہوں تو طبیعت میں انقباض اور پریشانی پیدا ہوتی ہے، کیا آپ میری اس الجھن کو دور کرنے کی زحمت گوارا کریں گے؟

معارف: سیر افغانستان "میری مرتبہ کتاب نہیں، بلکہ میرے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو افغانستان کے سفر سے واپسی کے بعد معارف میں بطور سفرنامہ لکھے گئے اور بعد کو میرے ایک نمبر

عزیز نے حیدر آباد دکن سے ایک کتاب کی صورت میں ان کو شائع کیا ہے، بہر حال آپ نے اس کتاب کی پچھی اور دلچسپی کی جو مدح فرمائی ہے دل سے اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں، تاخیر جواب ناگزیر اسباب کا نتیجہ ہے،

کتاب کے مطالعہ کے دوران میں "آزاد اسلامی ملک" اور "اسلامی جہاد" اور "مسلمانوں کے ملک" اور "مسلمانوں کی جنگ" کے درمیان اختلاط والتباس سے بے شبہہ آپ کے احساس دینی اور اسلامی ذوق سیاسی کو صدمہ پہنچا ہوگا، اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس وقت تک دونوں تصورات میں وہ فرق نمایاں نہ تھا جو اب نظر آتا ہے، زمانہ کے اختلاف کے ساتھ ساتھ زبان کے استعمال اور محاوروں اور اصطلاحوں میں بھی غیر محسوس فرق ہوتا چلا جاتا ہے، اور بہت دنوں کے بعد وہ فرق محسوس ہوتا ہے، چنانچہ یہ فرق خود میری پہلی اور پچھلی تحریروں میں بھی نظر آ سکتا ہے، خدا کرے کہ یہ فرق صرف زبان ہی کا ہو کر نہ رہ جائے بلکہ دلوں میں بھی فرق پیدا ہو جائے، کہ واقعی ہماری زندگی اسلام کی زندگی اور ہماری حکومتیں اسلام کی حکومتیں بن جائیں،

لیکن اس باب میں یہ کہنے بنیہ بھی نہیں رہ سکتا کہ ہم کو ہر معاملہ کی طرح اس معاملہ میں بھی غلو اور مبالغہ سے بچنا چاہیے، اور تصورات ہم پر اس قدر غالب نہ آجائے کہ ہم واقعت کو نظر انداز کر دیں، آخر مسلمانوں سے بے ہوئے ملکوں کو فوادہ جیسے مسلمان بھی ہوں، اسلامی ملک کہیں تو اعتراض کیوں پیدا ہو، آج آئیڈیل اسلام اور آئیڈیل اسلامی مملکت کا وجود کہاں ہے، کیا کچھ ہموں کو آپ آم نہیں کہیں گے، اور اگر نہیں کہیں گے تو کیا آپ اس کو ایسی تباہی کے یا کیسے کہیں گے کہ آپ اس کو "مس" کہیں گے؟

مولانا فضل حق خیر آبادی کے دورے

مولوی سید نجم الحسن صاحب ضوی | معارف "اکتوبر ۱۹۷۷ء میں" باغی ہندوستان

مدد میاں سکر، قصبہ خیر آباد ضلع سیتاپور | پر جناب کی تنقید نظر سے گزری، خاتمہ انگار

مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کی تصانیف کے سلسلے میں علمائے ہند کی عبارت سے
انجذاب کو رسالہ تشکیک اور کلی طبعی کی یک نکت کا جو شبہ پیدا ہو گیا ہے وہ صحیح نہیں ہے یہ دونوں
الگ الگ رسائل ہیں، کلی طبعی اور تشکیک دونوں معقولات کے اہم مسئلے ہیں جن کا اہم
مسائل میں شمار ہے، خطبہ پر یہ سعید یہ (جو بدیر کے ساتھ طبع ہوا ہے) میں علامہ کے شاگرد مولانا
عبد اللہ ملک رامی نے تصانیف کا شمار ذیل عبارت میں کر دیا ہے،

در مسالۃ فی تحقیق الکی الطبعی و رسالۃ فارسیہ فی تحقیق التشکیک

”دونوں کی زبانیں بھی جدا ہیں رسالہ تحقیق کلی طبعی میرے پاس موجود ہے، ان میں سے کوئی بھی

رسالہ طبع نہیں ہوا ہے،

معارف :- علامہ مرحوم کے ان رسالوں کے متعلق تذکرہ علمائے ہند اور باغی ہندوستان کے
بیانوں میں جو تضاد تھا، اس تبصروں میں اس کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا، راقم سطور کی نظر سے ان میں سے
کوئی رسالہ نہیں گذر تھا اس لیے لکھا گیا کہ معلوم نہیں واقعہ کیا ہے۔“

آپ کا شکر گزار ہوں کہ اپنے اپنے اس مکتوب گرامی کے ذریعہ اس مسئلہ کو صاف کر دیا، اور
دونوں غیر مطبوع رسالوں کے متعلق واقفیت ہم پہنچائی، انشاء اللہ اس مکتوب کو شائع کر دیا جائے گا،
تا کہ معارف کے ناظرین کے لیے بھی تصحیح کی خدمت انجام پا جائے۔ ”ر“

کلیات شبلی

(اردو)

مولانا شبلی کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ، جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے
گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، سلم لیگ
سلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یہ نظمیں وحیقت مسلمانوں کی چل سالہ جدوجہد کی ایک
مکمل تاریخ ہے، قیمت :- ۵۰

عالمی علم مطبوعات جدیدہ

فرہنگ غالب مرتبہ جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی، نام کتب خانہ رام پور،

جسم ۲۹، صفحے تقطیع چھوٹی قیمت بڑا پتہ :- منبر اشاعت خانہ رام پور،

جناب امتیاز علی خان صاحب عرشی کی سنجیدہ تصانیف، اہل علم کے حلقہ میں وقعت سے دیکھی
جاتی ہیں، فرہنگ غالب ان کی نئی تالیف ہے، جو اسی وقت نظر، دستِ مقالہ، اور تلاش و تحقیق
سے مرتب ہوئی ہے، جو ان کی تصنیفات کی خصوصیات میں سے ہے، مرزا غالب ادیب کے ساتھ فنِ لغت
سے خاص دلچسپی رکھتے تھے، برہان قاطع پر نقد کے سلسلہ میں قاطع برہان وغیرہ ان کے معروف سنا
ہیں، نیز وہ ایسے قدیم فارسی الفاظ کا استعمال فرماتے کیا کرتے تھے، جو فارسی جاننے والوں کے لئے
عام طور پر اجنبی ہوتے تھے، اسی لئے حاشیہ اور ضمیمہ میں وہ خود ان لفظوں کی تشریح بھی کر دیتے تھے
اسی طرح شاگردوں اور ادا و مندوں کے سوالوں کے جواب میں ان کے خطوط میں مختلف زبان کے
لفظوں کی تشریح مندرج ہے، لائقِ مرتب نے ان بکھرے ہوئے جواہر نیرودن کو بیس بائیس ماخذ
سے یکجا کیا، اور حروفِ تہجی سے فرہنگ غالب کے نام سے مرتب کیا ہے، اس طرح غالب کے استعمال
کے سبب بہت سے لفظوں کی تشریح خود ان کے قلم سے ظہور ہو گئی ہے، ان میں عربی، فارسی، ترکی،
سنسکرت، ہندی اور اردو وغیرہ کے بہت سے الفاظ ہیں، اور ان کو جن ماخذ سے لیا گیا ہے، ان کا
حوالہ دیدیا گیا ہے، اس طرح فنِ لغت میں گویا خود غالب کی ایک نئی کتاب مرتب ہو گئی ہے، لائقِ
مرتب نے مقدمہ میں فارسی قواعد و لغت پر ہندوستانی اہل علم کی تصنیفات کا ایک سرسرا

جائزہ بھی لیا ہے، امید ہے کہ اہل علم اس تصنیف سے فائدہ اٹھائیں گے،

نفسیاتِ جمال از مولانا ابوالنظر صاحب رضوی اردو ہوی، ناشر اعلیٰ کتب خانہ، قردول باغ

دہلی، حجم ۱۵۱ صفحہ تقطیع چھوٹی قیمت مجلد پیر

مولانا ابوالنظر صاحب رضوی، دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، مولانا کی یہ تصنیف اگرچہ نفسیاتِ جمال سے منسوب کی گئی ہے، مگر دراصل اس کو اس کے موضوع کے اعتبار سے نفسیاتِ محبت کہنا چاہئے اس میں محبت کی واردات کو اس کے مختلف زاویوں سے دیکھ کر قلب بند کیا گیا ہے، ہمارے لائق دوست پروفیسر سعید احمد اکبر آبادی کے بقول جنھوں نے اس کتاب کا تعارف لکھا ہے، لائق مصنف دیدہ و مسافر کی طرح ہیں، جو راستہ کی دلفریب وادیوں اور نظر نواز چمنستانوں کی ایک ایک دلفریبی کو نظر ستائش دیکھتا اور ان کی حسن کاریوں سے محفوظ و لذت اندوز ہوتا ہے، ہمیں اس کتاب پر اندلس کے مشہور عالم دین علامہ ابن حزم ظاہری کی جو مذہب ظاہرہ کے بانی بھی ہیں، کتاب طوق الحکامہ فی الالاف والالاف یاد آئی، موضوع کی یگانگی سے دونوں کے عنوانات و ابواب میں مشابہت موجود ہے، لیکن عرب اور ہندوستانی دیدہ و رون کی نگاہوں میں جو فرق ہو سکتا ہے، وہ ان دونوں کتابوں میں موجود ہے، لائق مصنف نے محبت اور زندگی "محبت اور شباب" اسی طرح اور غم دار شیرینی، ناکامی، خودکشی، راہِ عمل، شکایت، شکست غم، خود ستائی، رسوائی، وفاداری، بدگمانی، شکوہ رقیب، رعبِ حسن، بوسہ، شاعری، اور وصل کے عنوانوں سے محبت کے واردات جذبات، اور کیفیات کی ترجمانی کی ہے، ترجمانی کا حق ادا ہوا ہے کہ نہیں، اس کا صحیح فیصلہ اس کو چہرے کے راہروں پر کر سکتے ہیں

عشقِ جاہلگیر از جناب خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی حجم ۲۴۴ صفحہ تقطیع چھوٹی

لکھائی چھپائی اچھی، قیمت سے رتبہ - مکتبہ ادب لال کنواں دہلی،

خواجہ محمد شفیع دہلوی کا قلم دہلی کی ستھری اور پاکیزہ زبان اور دلآویز طرزِ ادا میں گلکاریاں

کرنے میں روشناس ہے ان کی نئی کتاب عشقِ جاہلگیر کے نام سے شائع ہوئی ہے، جس میں جاہلگیر اور نورِ جہان کی داستان کو عاشقانہ رنگ میں آغازِ عشق سے اس کے انجام تک قلمبند کیا گیا ہے اس تیموری شاہزادے کے جان نثاروں کی آبدار تلواروں کے جوہر شاہزادے کی عشق بازی کو کامیاب بنانے اور ابوالفضل کو راہ سے ہٹانے میں دکھائے گئے ہیں، کاش خواجہ صاحب اپنا موضوع اس تیموری شاہزادے کے عشق کی داستان کو نہ بنایا ہوتا کہ افسانہ نویسی میں وہ یہ نہ دیکھ سکتے تھے کہ اس مسلمان تاجدار کا دامن اخلاق کہاں کہاں الودہ ہوتا ہے، اور کیسے کیسے سنگین جرائم کا وہ مرکب دکھائی دیتا ہے، بہت سی ایسی داستانیں جن کی تردید کے لئے مورخین نے زور قلم صرف کیا تھا، وہ اس فسانہ میں اس انداز سے قبول کی گئی ہیں، کہ وہ فطری واقعات معلوم ہوتے ہیں، اس نے اگر ہم جناب خواجہ صاحب کو اس تصنیف کی تمام تصنیفی خوبیوں اور مرتب داستان کے باوجود اس داستان کے تصنیف کرنے پر مبارکباد نہ دے سکیں، تو امید ہے کہ وہ ہمیں معذور تصور فرمائیں گے،

افکارِ آتشین از جناب حافظ فضل الرحمن صاحب بڑی ناشر علی باب ڈپو، رقم گنج بنارس

جیبی تقطیع حجم ۱۲۱ صفحہ قیمت - ۱۰۰

افکارِ آتشین جناب بڑی بنارس کی ایسی نٹھون کا مختصر مجموعہ ہے، جس میں صحیح اسلامی عقائد و تعلیمات کو حسن و خوبی سے پیش کیا گیا ہے، اور مغرب زدہ ذہنیت اور جدید تہذیب کے مخرب اخلاق کو لازم کا مضحکہ اڑایا گیا ہے، جناب بڑی نے اپنی شاعری سے عقائد کی اصلاح اور دین کی تبلیغ کی خدمت انجام دی ہے، ان کی یہ روش دوسرے نوجوان شعراء کے لئے مشعلِ راہ بن سکتی ہے امید ہے کہ یہ مجموعہ دیکھنے سے پڑھا جائے گا،

شیطان مترجم جناب حبیب اشعر صاحب دہلوی حجم ۱۲۴ صفحہ تقطیع چھوٹی قیمت

پتہ: رائل ایجوکیشنل بک ڈپو، دہلی،

یہ جہان ضیل چہراں کے دس مختصر افسانوں کے مجموعہ کا اردو ترجمہ ہے، افسانوں میں مصری، ماحول، روایات اور طنز واداکارنگ غالب ہے، ترجمہ کو زیادہ سلیس اور روان ہونے کی ضرورت تھی،

جمال الدین افغانی از جناب سجاد علی صاحب حجم ۱۲ صفحہ قیمت: ۲۰

مولانا روم از مولوی عبدالحفیظ صاحب قدوائی نہدائی حجم ۲۲ صفحہ قیمت ۳۰

حضرت اسامہ از مولوی صلاح الدین صاحب ندوی حجم ۳۶ صفحہ قیمت ۴۰

حضرت طلحہ از مولوی شیراجی صاحب بکرا آبادی " " " ۳۸ " " ۴۰

ناشر مکتبہ قطعات اسلامی نمبر ۴۴ امین آباد پارک لکھنؤ

ان رسالوں میں ان بزرگوں کے مختصر سوانح حیات آسان زبان میں بچوں کے لئے لکھے گئے ہیں، ادارہ تعلیمات اسلام اپنے محدود دائرہ میں بچوں کی تعلیم و تربیت اور دماغی نشوونما کے لئے قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو کوششوں کو بار آور فرمائے،

ایک ویران وادی میں پہلا قافلہ از جناب نعیم صدیقی حجم بہ ترتیب: ۳۱، ۳۲، ۳۳

عورت کا خزینہ اور ۲۱ صفحہ قیمت بہ ترتیب ۵۴، ۵۵، ۵۶

اذان دعوت حق، تقطیع چھوٹی، لکھائی جلی، ناشر مکتبہ نشاۃ ثانیہ

جہل گورہ، حیدر آباد دکن،

یہ تین تحریک آفات دین کے سلسلہ میں لکھی گئی ہیں، پہلے رسالہ میں ایک ویران وادی میں دین کے احیاء کی تحریک چلانے والے قافلہ کو اترتے دکھایا گیا ہے، عورت کا خزینہ میں عورت کو مغرب نے جہان دکھ کر کیا ہے اس کو اس کا مقام دکھا کر صحیح راستہ پر لے کر دعوت دی گئی ہے، اذان دعوت حق میں حق کی طرف بلا لیا گیا ہے،

جلد ۲۰ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۵ء

مضامین

معذرت

مقالات

قرآن اور فلسفہ جناب اکرم علی الدین صاحب شرف از بہار شریعت پٹنہ ۴۰۵-۴۲۰

فتاویٰ عالمگیری اور اس کے چند اور مؤلفین جناب مولوی حافظ نجیب صاحب رفیق دارالمنین ۴۲۲-۴۳۸

ہندوستان میں علم حدیث جناب مولوی ابوبکری امام خالقا نوشہروی ۴۳۹-۴۴۵

جاوید بن حیان جناب مولوی سید وحید احمد صاحب ندوی رفیق دارالمنین ۴۴۸-۴۵۲

خلافت العروض جناب مولوی سید محمد قادی استاذ مدرسہ شمس الہدیٰ ۴۵۲-۴۵۵

تلخیص تبصرہ

اندلس کا اسلامی تمدن

"س" ۴۵۶-۴۶۱

استفسار و جواب

حج کے قدیم مراسم اور حج نبوی قبل ہجرت "س" ۴۶۲-۴۶۳

میزان الاعتدال میں ایک حوالہ " ۴۶۳-۴۶۴

ادبیات

ہائش سہیل

جناب اقبال احمد خان صاحب سہیل غلام گڑھ ۴۶۵

مسلمانوں سے خطاب

جناب سید مظفر الدین صاحب ندوی ایکٹ ۴۶۶-۴۷۴

پرنسپل اسلامیہ کالج چانگام

جناب اکرم دھولوی ۴۷۵-۴۷۸

تصویرات

جناب ناصر مالیکانوی ۴۷۸-۴۸۰

الہی توبہ